خلیل جبران

آتش روح

ترجمہ : ابوالعلا چشتی

نیا ادارہ ☆ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بار سوم : ۱۹۵۸ء

طابع و ناشر : نذیر احمد چودھری

سویرا آرٹ پریس ، نیا ادارہ ، لاہور

سرکش روحوں کے نام۔

ترتیب

خلیل کافــــر ، ۹
حجلۂ عروسی ، ۷۹
نـالــــۂ قبور ، ۹۳
گلُـبدن ، ۱۰۹

خلیل کافر

شمالی لبنان کے ایک گاؤں میں شیخ عباس اس طرح رہتا تھا جیسے رعیت کے درمیان حاکم ۔ اس کا عالیشان مکان دیہاتیوں کے حقیر مکانوں میں اس طرح نظر آتا تھا جیسے بالشتیوں کے گروہ میں قوی ھیکل انسان ۔ اس کی طرز زندگی ان کی معاشرت سے اس طرح ممتاز تھی جیسے مفلسی کے درمیان امارت ۔ اور اس کا اخلاق ان کے اخلاق سے ایسا مختلف تھا جیسے قوت اور ضعف کا فرق ۔

جب شیخ عباس ان کسانوں میں بیٹھ کر گفتگو کرتا تو وہ اس طرح سر نیاز جھکا لیتے گویا ان کی عقل اس کے قبضے میں ہے اور ان کی ترجمان اسی کی زبان ہے ۔ جب وہ غصے میں آتا تو کسان خوف سے کانپ اٹھتے اور اس کی شکل دیکھ کر اس طرح بھاگتے ، جیسے درختوں سے جھڑے ہوئے خشک پتے ہوا کے جھونکوں سے اڑتے ہیں ۔ اگر وہ کسی کے گال پر طمانچہ مار دیتا تو وہ شخص خاموش کھڑا رہتا اور یہ خیال کرتا کہ یہ مار آسمان سے نازل ہوئی ہے اور اس پر آنکھ اٹھانے کی جرأت کرنا اور یہ دیکھنا کہ طمانچہ کس نے مارا ہے ، کفر میں داخل ہے ۔ اور اگر وہ کسی شخص پر مسکراتا تو سب لوگ اسے مبارکباد دیتے کہ شیخ تم سے خوش ہو گیا ۔

شیخ عباس کے سامنے ان مسکینوں کا یہ جذبۂ تسلیم اس لیے نہیں تھا کہ وہ ضعیف تھے اور شیخ قوی ۔ بلکہ یہ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ مفلس تھے اور اس کے حاجت مند ۔ کیونکہ جس اراضی

میں وہ کھیتی باڑی کرتے تھے اور جن مکانوں میں وہ بستے تھے وہ سب شیخ کی ملکیت تھے ۔ شیخ کو یہ جائداد اس طرح اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملی تھی جس طرح کسانوں نے فقر و تباہ حالی اپنے بزرگوں سے ورثہ میں پائی تھی ۔ وہ شیخ کی نگرانی میں کاشت کرتے تھے اور فصل کاٹتے تھے لیکن اپنی محنتوں اور مشقتوں کے بدلے اتنا غلہ بھی حاصل نہ کر سکتے جو انھیں بھوک کے چنگل سے نکال سکے ۔ ان میں سے اکثر موسم سرما کے گزرنے سے پہلے ھی روٹی تک کو محتاج ھو جاتے اور ایک ایک کر کے اس کے پاس جاتے اورگریہ و زاری کرتے تا کہ ایک دینار یا گندم کی ایک ٹوکری قرض لے سکیں ۔ شیخ ان کے سوال کو خوشی سے قبول کر لیتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فصل کے وقت ایک دینار ، دو دینار اورگندم کی ایک ٹوکری، دو ٹوکریاں بن جائیں گی ۔ اس طرح وہ مصیبت زدہ لوگ گریاں رہتے تھے ۔ وہ شیخ عباس کے قرض تلے دبے ھوئے تھے ۔ اپنی حاجت روائی کے لیے اس کے محتاج ھونے پر مجبور تھے ۔ اس کے غضب سے خائف تھے اور اس کی رضا چاھتے تھے ۔

موسم سرما برف باریاں اور طوفان خیزیاں لے کر آیا ۔ کھیتوں اور باغوں میں کائیں کائیں کرتے ھوئے کوؤں اور بے برگ درختوں کے سوا کچھ باقی نہ رھا ۔ دیہاتی شیخ عباس کے گودام غلے سے اور مٹکے انگور کے افشردہ سے بھر کر گھروں میں بیٹھ گئے ۔ اب ان کے لیے سوائے اس کے کوئی کام نہ تھا کہ آتش‌دانوں کے پاس بیٹھ کر آنے والے ایام کا ذکر کریں ۔

دسمبر کا مہینہ گزر گیا اور سال بوڑھا ھو کر خاکستری فضا میں دم توڑنے لگا ۔ رات ھو گئی جس کے بطن میں نئے سالِ

کا طفل باہر آنے کے لیے بے قرار تھا۔

دن کی روشنی رات کی تاریکی میں گم ہو گئی۔ طوفانی ہوا چلنے لگی اور برف سے ڈھکے ہوئے بلند پہاڑوں سے برف کو اڑا اڑا کر نیچے پھینکنے لگی تاکہ گڑھے پر ہو جائیں۔ اس کے خوف سے درخت کانپتے تھے اور اس کے سامنے زمین تھرتھراتی تھی۔ گزشتہ روز اور موجودہ شب کی برف سے زمین سفید ورق کی طرح بن گئی تھی تاکہ موت اس پر مبہم سطور لکھے اور پھر انھیں مٹا دے۔ دیہات کے درمیان دوش وادی پر کہر چھا گئی اور ان انوار پر غالب آ گئی جو حقیر مکانوں اور حویلیوں کی کھڑکیوں میں شعاع ریز تھے۔ کسانوں کے دلوں پر خوف چھا گیا۔ مویشی بھاگ کر چراگاہوں میں جا گھسے۔ کتے گاؤں کے اندر چھپ گئے۔ اور تیز ہوا کے جھونکوں کے سوا جو غاروں کے کانوں میں گونجتے تھے اور جن کی خوفناک آواز وادی کی گہرائیوں میں گونج پیدا کرتی تھی، اور کوئی چیز باقی نہ رہی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں پھوٹ رہی ہیں، فطرت بوڑھے سال کی موت پر غضبناک ہوگئی ہے اور چاہتی ہے کہ مکانوں میں دبکی ہوئی انسانی حیات سے جنگ کرے اور روح فرسا سردی اور شدید خنکی سے اس کے ساتھ حرب آزما ہو۔

اس بھیانک اور اس پر شور فضا میں ایک بائیس سالہ نوجوان قزحیا کے گرجا سے شیخ عباس کے گاؤں کو ایک دشوار گزار راستہ عبور کر کے جا رہا تھا۔ قزحیا کا گرجا لبنان کا مشہور اور بڑا مالدار گرجا ہے۔ اس کے محاصل کا اندازہ ہزارہا دینار کیا جاتا ہے۔ اس میں بیسیوں مشہور پادری رہتے ہیں۔ قزحیا

سریانی لفظ ہے جس کے معنی ' زندگی کی جنت ' کے ہیں۔

سردی نوجوان کے جوڑوں کو خشک کر رہی تھی۔ بھوک اور خوف نے اس کے قویٰ کو معطل کر دیا تھا۔ اُس کا سیاہ لباس برف سے ڈھنپا ہؤا تھا گویا اُس نے کفن پہن رکھا ہے۔ وہ آگے کی طرف بڑھتا تھا تو ہوا ایسے زور سے دھکیلتی تھی گویا اسے قید حیات میں دیکھنا نہیں چاہتی۔ وہ بے چارہ گر پڑتا تھا اور پھر اُٹھتا تھا۔ وہ بلند آواز سے چلا کر شکوہ کرتا تھا اور سردی اسے پھر خاموش کر دیتی تھی۔ آخر وہ مہر بہ لب اور لرزہ بہ تن ٹھہر گیا۔ اس میں جنگ جو عناصر کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ تھی۔ اور وہ شدید نا اُمیدی اور عمیق غم کی تاریکی میں کمزور سی اُمید کی مانند تھا۔ یا یوں کہیے کہ وہ اُس پر شکستہ چڑیا کی طرح تھا جو دریا میں گر گئی ہو اور جسے غضب ناک لہریں اپنی گہرائیوں کی طرف لے جا رہی ہوں۔

نوجوان چلتا گیا اور موت اُس کے پیچھے پیچھے رہی حتیٰ کہ اس کی قوتیں مضمحل ہو گئیں اور اس کی عزیمت میں انحطاط پیدا ہو گیا۔ اُس کی رگوں کا خون جم گیا اور وہ برف پر گر پڑا۔

وہ چلانے لگا۔ اس کے جسم میں زندگی کا بقیہ یہی آواز تھی — خوف زدہ آواز۔ جیسے اس نے موت کو روبرو دیکھا ہو — وہ آواز جو تاریکی کو اُس کی طرف بلاتی تھی — وہ آواز جس پر طوفان باد اُسے اُٹھا کر جہنم میں پھینکنا چاہتا تھا — فضائے عدم میں موجودات کی محبت !

اس گاؤں کے شمال کی طرف کھیتوں کے درمیان ایک چھوٹے

سے یک منزلہ مکان میں ایک عورت راحیل نامی مع اپنی بیٹی مریم کے جس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ نہ ہوگی رہتی تھی۔ یہ عورت ایک شخص سمعان نامی کی بیوہ تھی جو پانچ سال ہوئے جنگل میں مقتول پایا گیا تھا اور جس کے قاتل کا آج تک پتہ نہیں لگا۔

راحیل تمام غریب بیواؤں کی طرح اپنے ہاتھ کی محنت اور موت و فنا کے خوف کے ساتھ روزی کماتی تھی۔ وہ فصلیں کٹنے کے ایام میں کھیتوں کا بچا کھچا دانہ جمع کرتی موسم سرما میں سوت کاتتی اور معمولی اجرت پر یا جوار کی ٹوکریوں کے عوض لوگوں کے کپڑے سیتی تھی۔ اس کے تمام کام نیک نیتی، صبر اور توجہ کے ساتھ انجام پاتے تھے۔ اس کی بیٹی مریم حسینہ و جمیلہ تھی، اور گھر کے کام کاج میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی تھی۔

اس ہیبت ناک رات میں جس کا ذکر ہم کرچکے ہیں راحیل اور اس کی بیٹی آتش دان کے پاس بیٹھی تھیں جس کی حرارت پر سردی غالب آ رہی تھی اور دھکتی ہوئی آگ راکھ ہوئی جاتی تھی۔ ان کے سروں کے اوپر مدھم سا چراغ ٹمٹما رہا تھا جس میں سے زرد رنگ کی کمزور شعاعیں نکل کر تاریک دلوں میں اس طرح داخل ہوتی تھیں جس طرح نماز غمزدہ مسلمانوں کے قلب میں تسکین پیدا کرتی ہے۔

آدھی رات گزر گئی دونوں عورتیں بیٹھی ہوا کے جھونکوں کا شور سن رہی تھیں جو باہر اپنی تندی و تیزی سے فضا میں طوفان کا سا تموج پیدا کر رہے تھے۔ لڑکی گاہے گاہے کھڑکی کھول کر تاریک فضا کی طرف نگاہ دوڑاتی اور عناصر کے غضب سے خوف‌زدہ اور مضطرب ہو کر پھر اپنی جگہ بیٹھ جاتی تھی۔

ایک دفعہ اس نے ایسا کیا تو اس طرح حرکت کی کہ دفعتاً گہری نیند سے چونک اٹھی ہے - پھر ماں کی طرف مخاطب ہو کر جلدی سے بولی : " اماں ! کیا تم نے سنا ہے ؟ کیا تم نے سنا ہے - کوئی آدمی کراہ رہا ہے؟"

راحیل نے سر اٹھایا اور لمحہ بھر کان لگا کر سنا - پھر جواب دیا : " نہیں ، مجھے تو ہوا کی چیخوں کے سوا اور کچھ سنائی نہیں دیتا -"

لڑکی بولی : " میں نے ایک گہری آواز سنی ہے جو ہوا سے زیادہ پر زور اور آندھی سے زیادہ تلخ تھی -" یہ الفاظ کہہ کر اس نے پھر کھڑکی کھولی ، کان لگا کر سنا اور ایک لمحہ کے بعد کہا: " اماں! میں نے پھر دردناک آواز سنی ہے -" راحیل اٹھ کر کھڑکی کے قریب گئی اور بولی : " ہاں میں نے بھی یہ آواز سن لی ہے - آؤ دروازہ کھول کر باہر جائیں اور اس کی تلاش کریں - کھڑکی بند کر دو کہیں ہوا چراغ نہ بجھا دے-"

راحیل نے یہ کہہ کر اپنی لمبی چادر اوڑھ لی ، دروازہ کھولا اور ثابت قدمی کے ساتھ باہر نکل گئی - مریم دروازے میں کھڑی رہی جہاں ہوا کے جھونکے اس کی زلفوں کے ساتھ کھیل رہے تھے -

راحیل برف پر چند قدم گئی اور ٹھہر کر پکارنے لگی : "کون فریاد کر رہا ہے -" کسی نے جواب نہ دیا - وہ جرأت کر کے آگے بڑھی اور ادھر ادھر نگاہ دوڑانے لگی - اس نے اپنے چہرے کو ہوا کے جھونکوں سے بچانے کے لیے چھپا رکھا تھا - آخر اسے برف پر کسی کے پاؤں کے نشان نظر آئے جنھیں ہوا مٹا

رہی تھی ۔ وہ سرعت کے ساتھ نقش قدم کے پیچھے پیچھے گئی
حتیٰ کہ اس نے اپنے سامنے ایک شخص کو برف پر بے ہوش پڑا
پایا جیسے سفید چادر پر سیاہ پیوند لگا ہو ۔ راحیل نے بڑھ کر
اس کے لباس سے برف کو جھاڑا اور اس کا سر اپنی گود میں
رکھ کر اس کی نبض اور دل کی حرکت دیکھنے لگی ۔ اس کے بعد
اس نے مکان کی طرف منہ کر کے بہ آواز بلند کہا: ” دوڑو مریم !
دوڑ کر میری مدد کو آؤ میں نے اسے پا لیا ہے ۔“

مریم گھر سے نکلی اور خوف و خنکی سے کانپتی اپنی ماں
کے پاؤں کے نشان پر چلی حتیٰ کہ موقع پر پہنچ گئی ۔ اس نے
ایک نوجوان کو بلا حس و حرکت برف پر پڑا دیکھا جو درد و
زحمت کے باعث کراہ رہا تھا ۔ راحیل نے نوجوان کو دونوں
ہاتھوں سے اٹھایا اور کہا : ” بیٹی ڈرو مت ، وہ زندہ ہے ۔ ادھر
سے پکڑو تاکہ اسے اٹھا کر گھر لے جائیں ۔“

دونوں نے نوجوان کو اٹھا لیا ۔ ہوا کے پر زور جھونکے ان
سے ٹکراتے تھے اور برف ان کے قدموں کو جکڑتی تھی ۔ بہرحال
وہ مکان میں پہنچ گئیں اور انھوں نے نوجوان کو آتشدان کے
پاس لٹا دیا ۔ ماں نوجوان کے ہاتھ پاؤں ملنے لگی اور بیٹی
اپنے کپڑے سے اس کے بھیگے ہوئے بالوں اور سرد انگلیوں کو
پونچھنے لگی ۔ چند لمحے نہ گزرنے پائے تھے کہ نوجوان نے تھوڑی
سی حرکت کی اور اس کی آنکھوں کو جنبش ہوئی ۔ دونوں عورتوں
کے دل میں اس شخص کی نجات کی امید پیدا ہو گئی ۔ مریم
نے اس کی تر بتر جوتی اور بھیگا ہؤا لبادہ اتارتے ہوئے کہا :
” دیکھو اماں دیکھو ! اس کا لباس راہبوں کا لباس ہے ۔“

راحیل نے آتشدان میں سوکھی لکڑیاں رکھتے ہوئے

کہا : " عجیب بات ہے ۔ ایسی خوفناک راتوں میں تو راہب گھر سے نہیں نکلا کرتے ۔ اس بے چارے کو کس بات نے مجبور کر دیا کہ یہ جان کو خطرے میں ڈالے ؟"

لڑکی پھر بولی: " لیکن یہ تو بے ریش ہے اور راہبوں کی گھنی داڑھی ہوتی ہے ۔" والدہ نے نوجوان کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے ماؤں کی سی شفقت ٹپکی پڑتی تھی ۔ وہ بولی: " بیٹی! اس کے پاؤں ملو چاہے یہ راہب ہو یا مجرم ۔"

راحیل نے وہ کوٹھڑی کھولی جس میں لکڑیاں جمع تھیں اور اس میں سے شراب کا ایک چھوٹا سا مٹکا نکال کر اس میں سے کچھ شراب ایک پیالے میں ڈالی پھر بیٹی سے کہا : " اس کے سر کو تھامو مریم ! تاکہ میں اس کے منہ میں شراب ڈالوں ۔ شاید اس سے اس کے جسم میں حرارت عود کر آئے ۔"

راحیل نے پیالہ نوجوان کے لبوں سے لگایا، اور جب تھوڑی سی شراب نوجوان کے حلق سے اتری تو اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولیں اور اپنے گرد و پیش غمگین نگاہوں سے دیکھا ۔ اس کی آنکھوں میں شکریہ کے آنسو جھلک رہے تھے ۔ اس نے اپنے سامنے ایک حسین منظر دیکھا ۔ اس نے موت کے منہ سے نکل کر زندگی کی شکل دوبارہ دیکھی ۔ نا امیدی کے بعد امید کی صورت اسے نظر آئی ۔ اس کے بعد اس نے اپنی گردن موڑی اور اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے یہ کلمہ نکلا : " خدا تمھیں برکت دے ۔"

راحیل نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ اس کے کندے پر رکھا : " اے بھائی ! اپنے آپ کو گفتگو سے تکلیف نہ پہنچاؤ اور خاموش رہو حتیٰ کہ تمھاری قوت واپس آ جائے ۔"

مریم نے کہا: ” اے بھائی ! اس مسند کا سہارا لے لو اور آتش‌دان سے قدرے قریب ہو جاؤ ۔“

نوجوان نے مسند کا سہارا لے لیا اور ایک لمحہ کے بعد راحیل نے شراب کا ایک اور پیالہ بھر کر آسے پلایا ۔ پھر اپنی بیٹی کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی: ” اس کی پیشانی کو آگ کے قریب لے جا کر ملو۔“مریم نے اس کی تعمیل کی ۔ اور پھر شفقت و محبت کی نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھنے لگی گویا اپنی نگاہوں سے آس کے خستہ جسم کو حرارت اور قوت پہنچا رہی ہے۔

راحیل دو روٹیاں اور راب کا ایک پیالہ لے کر حاضر ہوئی ، جس میں بعض پھل بھی پڑے تھے اور نوجوان کے پاس بیٹھ کر اس کے منہ میں اس طرح لقمے دینے لگی جس طرح ماں اپنے بیٹے کو کھانا کھلاتی ہے ۔ حتیٰ کہ جب وہ تھوڑا بہت کھا چکا اور اس کی جان میں جان آئی تو بساط پر اچھی طرح بیٹھ گیا ۔ اس کے زرد چہرے پر سرخ آگ کی شعاعیں پرتو افگن تھیں اور اس کی غمزدہ آنکھیں چمک رہی تھیں ۔ اس نے اپنا سر اٹھایا اور بولا: ”رحم اور سنگ دلی انسان کے دل میں اس طرح بر سرپیکار ہیں جیسے آج کی رات عناصر فضا میں مصروف جنگ ہیں لیکن رحمت قساوت پر غالب آئے گی کیونکہ وہ مقدس چیز ہے اور اس رات کی خوفناکیاں بھی غائب ہو جائیں گی جب صبح ہو گی ۔“ یہ کہہ کر نوجوان خاموش ہو گیا اور چند لمحوں کے بعد بولا : ” انسانی ہاتھ نے مجھے ذلت کی طرف دھکیلا اور انسانی ہاتھ ہی نے مجھے شدید ترین انسانی بے رحمی اور سنگدلی سے نجات دلائی ۔“

راحیل نے ایسی آواز میں جس سے شفقت مادری اور حلاوت و

طمانیت عیاں تھی کہا: ”بھائی! تم پر کیا گزری اور تم نے ایسی خوفناک رات میں راہب خانہ کو کیوں چھوڑا جب بھیڑیے دہشت زدہ ہو کر غاروں میں جا گھستے ہیں اور عقاب پتھروں کے نیچے چھپتے پھرتے ہیں۔“

نوجوان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے جواب دیا: ” لومڑیوں، بازوں اور فضائی پرندوں کے لیے یہ سب کچھ درست ہے لیکن آدم زاد کے نصیب میں یہ بات کہاں کہ وہ آرام سے بیٹھ سکے؟“

راحیل بولی: ” مسیح ناصری نے بھی اپنے متعلق یہی کہا تھا جب کہ ایک حواری نے اس سے کہا تھا کہ آپ جہاں جائیں گے میں آپ کے پیچھے جاؤں گا۔“

نوجوان نے جواب دیا: ”ہر شخص جو اس دنیائے کذب و ریا میں روح اور حق کی پیروی کرتا ہے یہی کہتا ہے۔“

راحیل خاموش ہو گئی اور ان الفاظ کے معنی سوچنے لگی۔ پھر بولی: ” لیکن راہب خانہ میں متعدد وسیع کمرے ہیں، سیم و زر کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور مال خانے غلہ اور شرابوں سے پر ہیں تمہیں کس بات نے مجبور کیا کہ تم ان سب چیزوں کو چھوڑ کر ایسی رات میں نکل آئے؟“

نوجوان نے آہ بھر کر کہا: ” میں نے یہ تمام چیزیں چھوڑ دیں اور راہب خانہ سے جبراً نکال دیا گیا۔“

راحیل بولی: ” راہب خانہ کے اندر راہب ایک سپاہی کی طرح ہوتا ہے جو میدان جنگ میں ہو۔ راہب اعظم اسے زجرو توبیخ بھی کرتا اور اس پر حکم چلاتا ہے اور میں نے سنا ہے

کہ وہ شخص راہب نہیں ہو سکتا جو اپنے ارادے ، اپنی فکر اور اپنی خواہشات کو ترک نہ کر دے ۔ لیکن نیک راہب اعظم اپنے راہبوں کو کوئی ایسا کام کرنے کے لیے نہیں کہتا جو ان کی طاقت سے باہر ہو ۔ میں تم سے پوچھتی ہوں کہ راہب خانۂ قزحیا کے راہب اعظم نے تمھیں کیا حکم دیا کہ تم اپنی زندگی کو طوفان باد و برف کے رحم پر چھوڑنے کے لیے مجبور ہو گئے ؟“

نوجوان نے جواب دیا: ” راہب اعظم کے نزدیک کوئی شخص راہب نہیں ہو سکتا اگر وہ اندھا گونگا ، بے حواس اور بے قوت آلہ نہ ہو ۔ لیکن میں راہب خانہ سے اس لیے نکلا کہ میں اندھا آلہ نہ تھا بلکہ دیکھنے اور سننے والا انسان تھا ۔“

راحیل اور مریم نے نوجوان کی طرف غور سے دیکھا گویا ان کو اس کے چہرے پر کوئی سر بستہ راز نظر آ رہا ہے اور وہ اس کا انکشاف چاہتی ہیں ۔ ایک لمحہ کے بعد راحیل نے حیران ہو کر پوچھا : ” کیا وہ انسان جو دیکھ اور سن سکتا ہے ایسی رات میں باہر نکل سکتا ہے جو آنکھوں کو اندھی اور کانوں کو بہرا کر رہی ہے ؟“

نوجوان نے آہ بھری ، سر کو اپنے سینے کی طرف جھکا لیا اورگھری آواز میں کہا: ” مجھے راہب خانہ سے نکال دیا گیا ۔“

راحیل نے دہشت زدہ آواز میں کہا : ” نکال دیا گیا ؟“

مریم نے بھی افسوس ناک لہجہ میں ان الفاظ کو دہرایا ۔

نوجوان نے سر اٹھایا اور دونوں عورتوں کے سامنے اظہار حقیقت کرنے پر نادم ہؤا اور ڈر گیا کہ شاید ان کو مجھ سے

نفرت پیدا نہ ہو جائے ۔ لیکن اس نے دیکھا کہ دونوں کی نگاہوں میں شفقت و محبت کی شعاعیں پرتو افگن ہیں ۔ پھر مدھم آواز میں بولا :—

”ہاں! مجھے راہب خانہ سے نکال دیا گیا کیونکہ میں اپنے ہاتھوں اپنی قبر نہیں کھود سکتا تھا ۔ میرا دل کذب و ریا کی زندگی سے تنگ آ گیا تھا ۔ میں فقرا و مساکین کا مال کھانے سے متنفر ہو گیا تھا اور میری روح نے مجھے منع کر دیا تھا کہ میں ایسی قوم کی خیرات سے لذت حاصل کروں جو نادان اور بے بس ہے ۔ مجھے نکال دیا گیا کیونکہ میرے جسم نے ان وسیع کمروں میں کوئی راحت نہ پائی جسے جھونپڑوں کے رہنے والوں کے خون سے تعمیر کیا گیا ہے ۔ میرے جذبۂ خوف نے مجھے وہ روٹی کھانے کی اجازت نہ دی جس کے آٹے کو یتیموں اور بیواؤں کے آنسوؤں میں گوندھا گیا ہے ۔ میری زبان نے وہ عبادت قبول نہ کی جو راہب اعظم ایمان والوں اور دین داروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے ۔ میں کوڑھیوں کی طرح نکال دیا گیا کیونکہ میں نے ان پادریوں اور راہبوں کو کتاب مقدس کی وہ آیات سنائیں جنھوں نے انھیں پادری اور راہب بنایا ۔“

نوجوان خاموش ہوگیا اور راحیل اور مریم اس کے حسین مگر حزیں چہرے کی طرف دیکھنے لگیں ۔ وہ ایک دو لمحے کے بعد ایک دوسرے کی طرف بھی دیکھ لیتی تھیں گویا خاموشی کے عالم میں ان عجیب و غریب حالات پر غور کر رہی ہیں ۔ حتیٰ کہ ماں کے دل میں محبت نے جوش مارا اور شفقت کے لہجہ میں پوچھا : ”اے بھائی ! تمہارے ماں باپ کہاں ہیں ۔ کیا وہ زندہ ہیں ؟“

نوجوان نے دردناک لہجہ میں جواب دیا : " میرا نہ باپ ہے نہ ماں بہن اور نہ کوئی ایسی جگہ جہاں میں اپنا سر چھپا سکوں ۔"

راحیل نے ان الفاظ سے متاثر ہو کر آہ بھری اور مریم نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا تاکہ محبت کے آنسوؤں کو چھپا سکے ۔ اور اس کا دل ان کی مہربانیوں کی رقت سے اس طرح شگفتہ ہو گیا جیسے پتھروں کے درمیان پھول اس وقت مہک اٹھتا ہے جب کہ صبح اس کے دل پر شبنم کے قطرے گراتی ہے ۔ اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا : " میری عمر سات سال کی تھی کہ میرے ماں باپ مر گئے ۔ مجھے گاؤں کا پادری قزحیا کے راھب خانہ میں لے گیا ۔ راھب مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے اور انھوں نے مجھے گایوں کا گلہ بان بنا دیا ۔ جب میری عمر پندرہ سال کی ہوئی تو انھوں نے مجھے یہ موٹا اور سیاہ لباس پہنا دیا اور مذبح کے سامنے لے جا کر کہا: " خدا اور اس کے مقدسین کی قسم کھا کر اقرار کرو کہ تم اپنے آپ کو فقر ، طاعت اور عفت کے لیے وقف کر دو گے ۔" میں نے قبل اس کے کہ ان کے کلام کو سمجھوں ؛ قبل اس کے کہ فقر ، طاعت اور عفت کے معنوں کو سمجھوں اور قبل اس کے کہ اس تنگ راستے کو دیکھ سکوں جس پر وہ مجھے چلانا چاہتے تھے ، میں نے ان کے الفاظ کو دھرایا ۔ میرا نام خلیل تھا اور جب سے میں راھب بنا اس وقت سے انھوں نے میرا نام برادر مبارک رکھ دیا لیکن مجھے اپنا بھائی نہ بنایا ۔ وہ گوشت اور پرتکلف کھانے کھاتے تھے اور مجھے سوکھی روٹیاں اور باسی سبزی کھلاتے تھے ۔ خود شرابیں اور خوش ذائقہ مشروبات پیتے تھے اور مجھے آنسوؤں سے ملا پانی پلاتے

تھے - خود نرم نرم بستروں پر استراحت کرتے تھے اور مجھے سؤروں کے باڑے کے پاس تاریک اور سرد کمرے میں پتھروں کے فرش پر سلاتے تھے - میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ " میں کب راہب بنوں گا اور کب ان مقدسین کی لذتوں اور مسرتوں میں شریک ہوں گا - وہ وقت کب آئے گا جب میرا دل لذیذ کھانوں کی خوشبو سے پریشان اور میرا جگر شرابوں کی رنگت دیکھ کر مغموم نہ ہوگا - اور میری روح راہب اعظم کی آواز پر کانپا نہ کرے گی - لیکن میری خواہشیں اور میرے تصورات باطل ثابت ہوئے کیونکہ میرا کام یہی رہا کہ گائیں چراؤں ، اپنی پیٹھ پر پتھر ڈھوؤں اور اپنے بازوؤں سے مٹی کھودوں - میں یہ سب کام دو لقمہ نان کے لیے کرتا رہا کیونکہ راہب خانہ کے سوا مجھے کوئی مکان نظر نہ آتا تھا جہاں چلا جاؤں اور اپنا پیٹ پال سکوں کیونکہ انھوں نے مجھے تعلیم دی تھی کہ ان کی معیشت کے سوا ہر چیز کفر ہے - کیونکہ انھوں نے مجھے مایوسی اور تسلیم و رضا سے زہر آلود کر دیا تھا - حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ یہ دنیا غم و شقاوت کا ایک بحر بے کراں ہے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے راہب خانہ ہی ایک بندرگاہ ہے -"

خلیل سیدھا ہو کر بیٹھ گیا - اس کے اداس چہرے پر انبساط کے آثار ہویدا ہو گئے گویا اس کمرے میں اسے اپنے سامنے کوئی خوبصورت چیز نظر آ رہی ہے لیکن راحیل اور مریم خاموش بیٹھی رہیں - ایک لمحہ کے بعد خلیل نے پھر گفتگو شروع کی : " جس قدرت نے مجھ سے میرے والدین چھین لیے اور مجھے یتیم کر کے راہب خانے بھیج دیا اس قدرت کو یہ منظور

نہ ہؤا کہ میں ساری عمر اندھوں کی طرح تاریک گڑھوں میں گزار دوں ۔ اس قدرت نے یہ نہ چاہا کہ میں آخری دم تک تباہ حال رہوں ۔ اس نے میری آنکھیں اور کان کھول دیے ، میری آنکھوں کو شعاع نور سے آشنا کر دیا اور میرے کانوں میں بولتی ہوئی حقیقت پہنچا دی ۔"

راحیل نے اپنا سر ہلایا اور کہا : " کیا اس نور کے سوا جو سب لوگوں کو سورج سے نکلتا نظر آتا ہے کوئی اور نور بھی موجود ہے اور انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ حقیقت سے آشنا ہو ؟"

خلیل نے جواب دیا: " حقیقی نور وہ ہے جو انسان کے اندر چمکتا ہے اور ایک دوسرے کے قلبی اسرار سے واقف کرتا ہے ۔ لیکن حقیقت ستاروں کی طرح ہے جو ہمیشہ ظلمت کے پردے سے ظاہر ہوتی ہے ۔ حقیقت دنیا کی دیگر خوبصورت چیزوں کی طرح آشکار نہیں بلکہ وہ اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جو باطل کی تاثیرات کو جان لے ۔ حقیقت ایک مخفی میلان ہے جو ہمارے ایام کو پر فرحت بناتا ہے اور جس کے لیے ہم آرزو کرتے ہیں کہ وہ تمام لوگوں کو فرحت بخشے ۔"

راحیل نے کہا: " اکثر آدمی ایسے ہیں جو اس مخفی میلان سے تمتع حاصل کرتے ہیں جو ان کے دل میں پیدا کر دیا گیا ہے ۔ اور اکثر آدمی ایسے ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ میلان اس ناموس انسانی کا سایہ ہے جسے خدا نے انسان میں ودیعت کیا ہے ۔ لیکن ان لوگوں کے ایام پرفرحت نہیں ہوتے اور یہ موت تک تباہ حال رہتے ہیں ۔"

خلیل نے جواب دیا : ” باطل ہیں وہ اعتقادات و تعلیمات جو انسان کو زندگی میں تباہ حال رکھتے ہیں اور جھوٹ ہیں وہ عواطف جو یاس و غم اور شقاوت پیدا کرتے ہیں کیونکہ انسان کے لیے واجب ہے کہ وہ زمین پر رہ کر سعادت حاصل کرے اور سعادت کا راستہ ڈھونڈے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ جس شخص نے اس زندگی میں ملائکۂ آسمانی کا مشاہدہ نہیں کیا وہ اگلی زندگی میں بھی انھیں نہیں دیکھ سکتا کیونکہ ہم اس دنیا میں بے دماغ نہیں آتے بلکہ نادان بچوں کی طرح آتے ہیں تاکہ زندگی کے اسرار و محاسن سیکھیں ، روح کی صحیح عبادت کو جانیں اور اپنے باطن کے مخفی رازوں سے واقفیت حاصل کریں۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے میں نے مسیح ناصری کی تعلیمات سے اخذ کیا اور یہی ہے وہ نور جو میرے اندر چمکا اور جس نے مجھ پر راہب خانہ اور اس کی وہ ظلمت آفرینیاں آشکار کر دیں جو اس کی خوفناک وسعتوں اور گہرائیوں سے نکل کر میری جان لینے پر آمادہ تھیں۔ یہی وہ مخفی راز ہے جو مجھ پر اس خوبصورت جنگل نے منکشف کیا جہاں میں درختوں کے سایے میں بیٹھ کر روتا اور فریاد کرتا تھا۔ ایک روز جب کہ میں اس آسمانی شراب کے نشہ میں سرشار ہو گیا تو حوصلہ کر کے راہبوں کے پاس گیا جو راہب خانے کے باغیچہ میں بپھرے ہوئے حیوانوں کی طرح بیٹھے تھے۔ میں نے اپنے خیالات ان پر ظاہر کیے اور ان کے سامنے کتاب مقدس کی وہ آیات پڑھیں جو ان کی گمراہی اور کفر کا نشان دیتی تھیں۔ میں نے ان سے کہا : ” ہم لوگ اس خلوت میں زندگی کیوں بسر کر رہے ہیں ؟ ہم فقیروں اور مسکینوں کی خیرات سے کیوں تمتع حاصل کرتے ہیں ؟ ہم ان لوگوں کی روٹیوں پر کیوں بسر اوقات

کرتے ہیں ، جن میں ان کی آنکھوں کے آنسوؤں اور پیشانیوں کا پسینہ ملا ہؤا ہے ؟ ہم بے کار بیٹھ کر کیوں عیش اڑاتے ہیں اور خدا کی مخلوق کو اپنی قوت بازو اور عزم نفس سے کیوں محروم رکھے ہوئے ہیں ؟ یسوع مسیح نے تمہیں بھیڑیوں کے درمیان بکریاں بنا کر بھیجا تھا ۔ کیوں ، یہ کس تعلیم کا اثر ہے کہ تم بکریوں کے درمیان بھیڑیے بن کر زندگی بسر کر رہے ہو ۔ تم انسان سے دور کیوں بھاگتے ہو۔ جب کہ خدا نے تمہیں انسان بنا کر بھیجا ہے ؟ اگر تم کاروان حیات کے راھگیروں میں افضل ہو تو ان کے پاس جاؤ اور انہیں تعلیم دو ۔ اگر وہ افضل ہیں تو ان کے پاس جا کر تعلیم حاصل کرو ۔ یہ کیا عجیب بات ہے کہ تم فقر کی نمائندگی کرتے ہو لیکن امراء کی سی زندگی بسر کرتے ہو ۔ عبادت کے دعویدار ہو لیکن انجیل سے سرکشی کرتے ہو ۔ پاک دامنی کا دعویٰ کرتے ہو مگر تمہارے دل میں شہوت کے جذبات بھرے ہیں ؟ تم ظاہر یہ کرتے ہو کہ جسم کشی کرتے ہو لیکن دراصل اپنی روح کو فنا کر رہے ہو ۔ آؤ! اس راھب خانہ کی وسیع اراضی ان محتاج دیہاتیوں میں تقسیم کر دیں ، اور ان کا مال جو ہم ان سے حاصل کر چکے ہیں ، ان کی جیبوں میں ڈال دیں ۔ آؤ ! ہم پرندوں کے غولوں کی طرح ہر طرف پھیل جائیں اور کمزور قوم کی خدمت کریں ، جس نے ہمیں قوی بنایا ۔ اور ان آبادیوں کی اصلاح کریں ، جن کی خیرات نے ہمیں عیش کرائے ۔ اور اس برباد ملت کو تعلیم دیں ۔ ہم نوع انسان کے لیے جو تکلیفیں جھیلیں گے وہ ان راحتوں سے بدرجہا افضل و اجمل ہیں ، جو ہمیں اس فضیلت سے ہزار درجے اچھی ہے ، جو اس راھب خانہ

میں پوشیدہ ہے ۔ اور کمزوروں ، مجرموں اور ناکارہ اشخاص کے ساتھ ہم جو ہمدردی کی باتیں کریں گے وہ اس طویل نماز سے اشرف ہیں ، جو ہم اس معبد میں پڑھتے ہیں ، ۔"

خلیل لمحہ بھر دم لینے کے لیے ٹھہرگیا ۔ پھر اس نے راحیل اور مریم پر نگاہ ڈال کہنا شروع کیا :—

" میں راہبوں کے سامنے یہ باتیں بیان کر رہا تھا ، وہ سن رہے تھے اوران کے چہروں پر حیرت کے آثار ہویدا تھے ، گویا وہ یقین نہیں کرسکتے تھے کہ میرے جیسا نوجوان ان کے سامنے کھڑے ہو کر ایسی گفتگو کرنے کی جرأت کرے ۔ جب میری بات ختم ہوئی تو ان میں سے ایک آگے بڑھا اور دانت پیس کر بولا : ' اے کمزور انسان! تم ہمارے سامنے ایسی باتیں کرنے کی جرأت کرتے ہو ؟' دوسرا آگے آیا اور استہزا کے لہجہ میں بولا : ' کیا تم نے یہ حکمت گایوں اور خنزیروں سے سیکھی ہے ، جو زندگی بھر تمہارے رفیق رہے ہیں ؟' تیسرا بڑھا اور بولا : ' اے کافر خبیث ! تم ابھی اپنا حشر دیکھ لو گے ۔' اس کے بعد سب میرے پاس سے اس طرح ہٹ گئے ، گویا میں کوڑھی تھا ۔ ان میں سے بعض راہب اعظم کے پاس شکایت لے کر گئے ۔ اس نے مجھے غروب آفتاب کے وقت بلایا اور سنگدلی کے ساتھ مجھے ایک ماہ تک جیل میں رکھنے کا فتویٰ صادر کیا ۔ راہب قہقہے لگاتے ہوئے مجھے کشاں کشاں تاریک اور مرطوب کمرے میں لے گئے ۔ میں مہینہ بھر اس قبر میں پڑا رہا ، جہاں نہ روشنی نظر آئی ، نہ حشرات الارض اور مٹی کے سوا کسی چیز کو میں نے چھوا ، اور نہ مجھے پتہ لگا کہ دن کب ختم ہؤا اور رات کب شروع ہوئی ۔ میرے کانوں میں آتے جاتے راہبوں کے

قدموں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہ آتی تھی ۔ میرے قریب سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے اور سرکہ آمیز پانی پڑا تھا ۔ مہینہ گزر گیا ۔ میں قید خانے سے نکلا ۔ اور راھبوں نے جب میرے جسم کی کمزوری اور میرے چہرے کی زردی کو دیکھا تو خیال کیا کہ بھوک ، پیاس اور عذاب کے باعث میرے خیالات طبعی موت مر چکے ھیں ، اور وہ جذبہ جو اللہ نے میرے دل میں زندہ کیا تھا قتل ھو چکا ھے ۔ دن رات گزرتے گئے اور میں اپنے نفس کے ساتھ اس جہاد میں مشغول رھا کہ کیا کیا جائے جس سے یہ راھب نور کو دیکھ سکیں اور نغمۂ زندگی کو سن سکیں ۔ لیکن میرے افکار باطل ثابت ھوئے ، کیونکہ جو تاریک پردے ایک طویل عرصہ سے ان کی آنکھوں پر پڑے ھوئے تھے وہ چند دنوں میں ھٹائے نہیں جا سکتے تھے ۔ اور ان کے کانوں میں غفلت کی روئی جو ٹھونسی جا چکی تھی وہ پتھر بن چکی تھی اور نرم انگلیوں سے اس کا نکالنا مشکل تھا ۔"

کچھ وقفہ کے بعد ، جو آھوں سے پر تھا ، مریم نے اپنا سر اٹھایا اور اپنی والدہ کی طرف دیکھا گویا اسے متوجہ کرنا چاھتی ھے ۔ اور پھر خلیل کی طرف دیکھ کر بولی : " کیا راھبوں کے سامنے تم نے پھر ایسی ھی باتیں کیں جن کے باعث انھوں نے تمھیں ایسی خوفناک رات میں باھر نکال دیا ، جب کہ انسان دشمن پر بھی مہربان ھو جاتا ھے ؟"

نوجوان بولا : " آج شام کو جب طوفان باد اٹھا اور عناصر نے فضا میں باھم جنگ شروع کر دی ، میں راھبوں سے علحدہ ھو کر بیٹھ گیا ۔ وہ آگ کے گرد حلقہ زن تھے اور حکایات و واقعات بیان کر کے قہقہے لگا رھے تھے ۔ میں نے انجیل کھولی

تاکہ اس کی وہ آیات پڑھوں جو میلان نفس کے متعلق ہیں اور قدرت کے غضب اور عناصر کی سنگ‌دلی کو بھول جاؤں ۔ جونہی ایک راہب نے مجھے دیکھا تو انھوں نے میری علحدگی کا مضحکہ اڑانا چاہا ۔ ان میں سے بعض اٹھ کر میرے قریب آئے اور میری طرف اشارہ کر کے ہنسنے لگے ۔ میں نے ان سے کوئی بات نہ کی ، البتہ انجیل کو بند کر دیا اور کھڑکی سے باہر کی طرف دیکھنے لگا ۔ یہ دیکھ کر وہ غضب میں آ گئے اور میری طرف اس طرح دیکھنے لگے گویا میرے سکوت نے ان کے سامان مضحکہ کو تباہ کر دیا ہے ۔ آخر ایک نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا : ' اے مصلح عظیم ! کیا پڑھ رہے تھے ؟ ' میں نے کہنے والے کی طرف نگاہ نہ اٹھائی ، البتہ کتاب کھولی اور بلند آواز سے یہ آیت پڑھنی شروع کر دی :—

' اس نے اس مجمع سے کہا ، جو اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے نکلا تھا ، کہ اے سانپ کی اولادو ، آنے والے غضب سے ڈرو اور توبہ کا میٹھا پھل پیدا کرو ۔ تم اپنے دلوں میں کہتے ہو کہ ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں ، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا اس پتھر سے بھی اولاد ابراہیم پیدا کر سکتا ہے ۔ اور اب کلہاڑا درخت کی جڑ کاٹ چکا ہے ۔ اور جو درخت عمدہ پھل نہیں دیتا اسے آگ میں جلا دیا جاتا ہے ۔ گروہ نے پوچھا ' کہ اب ہم کیا کریں ۔ ' اس نے جواب دیا : ' جس کے پاس کپڑے ہیں ، وہ ایسے شخص کو دے دے ، جس کے پاس نہیں ہیں ۔ اور جس کے پاس کھانا ہے وہ بھی ایسا ہی کرے ۔ '

"جب میں نے یہ آیت پڑھی ، راہب ایک لمحہ کے لیے خاموش

ہو گئے گویا ایک خفیہ ہاتھ نے ان کی روحوں کو مضبوط پکڑ لیا ہے ۔ لیکن ایک لمحہ کے بعد وہ پھر ہنسنے اور مذاق اڑانے لگے ۔ پھر ان میں سے ایک بولا : ' ہم نے اس کلام کو بارہا پڑھا ہے اور ہمیں اس بات کی حاجت نہیں کہ ہم یہ کلام ایک گلہ بان سے سنیں ۔' میں نے کہا کہ اگر تم نے یہ کلام پڑھا اور سمجھا ہوتا تو اس دیہات کے لوگ برف باری کی سردیوں سے کیوں مرتے ، بھوک سے لاچار کیوں ہوتے اور تم یہاں بیٹھے ان کی خیرات سے مزے کیوں اڑاتے ، ان کے انگوروں کا رس کیوں پیتے اور ان کے مویشیوں کا گوشت کیوں کھاتے ؟ میرے لبوں سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ ایک نے میرے منہ پر اس طرح طمانچہ رسید کیا گویا میری گفتگو حماقت پر مبنی تھی ۔ اس کے بعد اس نے مجھے پاؤں سے ٹھوکریں ماریں ۔ دوسرے نے میرے ہاتھ سے انجیل چھین لی اور تیسرے نے راہب اعظم کو آواز دی ۔ راہب اعظم جلدی سے آیا اور جب اس نے ماجرا سنا تو اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں ۔ وہ جوش غضب سے کانپنے لگا اور گرجتی ہوئی آواز میں بولا: ' اس شریر باغی کو پکڑ لو اور راہب خانے سے باہر نکال دو تا کہ عناصر کا غضب اسے فرماں برداری سکھا دے ۔ اسے سرد تاریکی میں دھکیل دو تا کہ قدرت کی آفتیں اسے سبق سکھائیں ۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح دھو لو تا کہ کفر کا زہر جو اس کے کپڑوں میں سرایت کر چکا ہے اس سے بچے رہو ۔ اور اگر یہ واپس آئے اور التجائیں کر کے توبہ کا مظاہرہ کرے تو دروازہ مت کھولو ، کیونکہ سانپ کو اگر پنجرے میں رکھا جائے تو کبوتر نہیں بن سکتا ۔ اور اگر حنظل کا پودا انگور کی

بیلوں میں بو دیا جائے تو اس سے کھجوریں پیدا نہیں ہو سکتیں ۔‘

” راہبوں نے فوراً مجھے پکڑ لیا اور کشاں کشاں راہب خانہ کے باہر چھوڑ کر ہنستے ہوئے چلے گئے ۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے میں نے ایک راہب کو یہ کہتے سنا: ’کل تک تم بادشاہ تھے اور گائیں اور خنزیر تمھاری رعیت تھے، لیکن اے مصلح! آج ہم نے تمھیں نکال دیا ہے ۔ اب جاؤ بھیڑیوں اور گدھوں کو سکھاؤ کہ بھٹوں اور غاروں میں کس طرح رہنا چاہیے ۔“

خلیل نے ایک لمبی آہ بھری اور چہرہ آگ کی طرف کر لیا، جو آتش‌دان میں سلگ رہی تھی ۔ پھر دردناک آواز میں کہا:

” اس طرح راہبوں نے مجھے موت کے منہ میں دے دیا ۔ میں چل پڑا ۔ کہر نے میری آنکھوں سے راستے کو چھپا لیا ۔ تیز ہوا میرے کپڑوں کو پھاڑنے اور برف میرے پاؤں کو باندھنے لگی ۔ حتیٰ کہ میرے قوائے بدن ڈھیلے پڑ گئے اور میں چلاتا ہؤا زمین پر گر گیا ۔ میں فریاد کرتا تھا اور جانتا تھا کہ خوفناک موت اور تاریک غاروں کے سوا میری آواز کوئی نہیں سنتا، لیکن برف اور ہوا کے عقب سے، ظلمت اور ابر کے پردے سے، ایتھر اور ستاروں کے پیچھے سے، ایک قوت نے جو سراسر رحمت اور معرفت ہے، میری آواز اور میری پکار کو سنا اور نہ چاہا کہ میں زندگی کے باقی اسرار معلوم کیے بغیر جان بحق ہو جاؤں ۔ اس نے آپ کو میرے پاس بھیجا تاکہ آپ مجھے جہنم اور عدم کے راستے سے لوٹا لیں ۔“

نوجوان خاموش ہو گیا ۔ اور دونوں عورتیں اس کی طرف حیرت و شفقت کی نظروں سے دیکھتی رہیں، جیسے وہ اس کے

دل کے اسرار کو سمجھ چکی تھیں ، اور شعور و معرفت میں اس کی شریک ہو گئی تھیں ۔ ایک لمحہ کے بعد راحیل نے اپنا ہاتھ بڑھایا ، اس کے ہاتھ کو چھؤا ، اور لطف و چشم نم کےساتھ اس سے مخاطب ہوئی : " خدا جسے صداقت کی راہ میں نصرت بخشے ، اُسے نہ ظلم فنا کر سکتا ہے نہ طوفان و برف مار سکتے ہیں ۔"

مریم نے آہ بھر کر کہا : " طوفان اور برف پھولوں کو فنا کر سکتے ہیں ، لیکن بیج نہیں مر سکتے ۔"

خلیل کا زرد چہرہ اس اظہار ہمدردی پر اس طرح چمک اُٹھا ، جس طرح صبح کی شعاعیں اُفق کو منور کر دیتی ہیں ۔ اس نے کہا :—

" اگر تم مجھے اسی طرح سرکش اور کافر نہیں سمجھتیں ، جس طرح راہبوں نے سمجھا تھا ، تو یاد رکھو کہ میں نے راہب خانے میں جو مظالم دیکھے ہیں وہ اس تشدد کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو قوم کے منزل معرفت تک پہنچنے سے پہلے ہؤا کرتا ہے ۔ اور آج کی رات جو مجھے ہلاک کرنے پر تلی ہوئی تھی ان فساد انگیزیوں کا نمونہ ہے جو حریت اور مساوات کی پیش خیمہ ہوتی ہیں ۔ انسان کی سعادت حساس عورت کے دل سے پیدا ہوئی اور اسی کی شرافت نفس ، شریف النفس انسان پیدا کرتی ہے ۔"

خلیل نے یہ کہہ کر تکیے کا سہارا لے لیا اور عورتوں نے اس کی بات کا جواب نہ دیا کیونکہ اُنھوں نے اس کی آنکھوں سے معلوم کر لیا تھا کہ وہ خواب آلود ہیں ۔

چند لمحے نہ گزرے تھے کہ خلیل کی آنکھیں مند گئیں

اور وہ اس طرح سو گیا جس طرح بچہ ماں کا دودھ پی کر سو جاتا ہے ۔ راحیل اٹھی اور مریم نے بھی اس کی متابعت کی ۔ دونوں اپنے بستروں پر جا بیٹھیں اور اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگیں جس میں کچھ ایسی جاذبیت تھی کہ ان کی روحوں اور ان کے دلوں پر محیط ہوئی جاتی تھی ۔ راحیل نے آہ بھری اور اس طرح گویا اپنے آپ سے مخاطب ہے ، کہا : " ان بند آنکھوں میں ایک ایسی عجیب قوت ہے جو اس کے سکون قلب اور میلان نفس کا پتہ دیتی ہے ۔"

مریم بولی : " اماں ! اس کے ہاتھ بالکل یسوع مسیح کے ہاتھوں سے ملتے جلتے ہیں جس کی تصویر گرجا میں آویزاں ہے ۔"

راحیل نے سرگوشی کی : " اس کے چہرے پر عورت کی سی نرم دلی اور مرد کی سی قوت ہے ۔"

نیند دونوں عورتوں کو خوابوں کی دنیا میں لے گئی ۔ آتشدان کی آگ بجھ کر راکھ ہو گئی ۔ چراغ کا تیل ختم ہو گیا ۔ کمرے پر تاریکی مسلط ہو گئی لیکن باہر آندھی کا زور شور قائم تھا ۔ جو برف کو دائیں بائیں اڑا رہی تھی ۔

دو ہفتے گزر گئے ۔ ابر آلود فضا کبھی ساکن ہو جاتی تھی اور کبھی ہیجان پیدا کر کے غاروں کو کہر سے بھر دیتی تھی ۔ پہاڑ برف سے ڈھنپے ہوئے تھے ۔ خلیل نے تین مرتبہ کوشش کی کہ ساحل سمندر کی راہ لے لیکن راحیل نے لطف و شفقت سے اسے روکا اور کہا :—

" بھائی ! اپنی زندگی کو اندھے عناصر کے رحم پر مت چھوڑو بلکہ یہیں رہو کیونکہ جو روٹیاں دو آدمیوں کا پیٹ بھرتی ہیں وہ تین کے لیے بھی کافی ہو سکتی ہیں - اور اس آتشدان کی آگ تمھارے جانے کے بعد بھی ویسی ہی جلتی رہے گی جیسی تمھارے آنے سے پہلے تھی - بھائی ! ہم فقیر ہیں لیکن خدا کے فضل سے اسی طرح زندہ ہیں جیسے دوسرے انسان - کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں رزق دیتا ہے اور ہمارے دن گزارتا ہے -"

لیکن مریم نظروں ہی نظروں میں اس سے التجا ، اور خاموش آھوں سے شفقت کا اظہار کرتی تھی گویا اسے جانے سے منع کر رہی ہے - وہ اس وقت سے لے کر جب کہ خلیل موت اور زیست کی درمیانی حالت میں اس حقیر مکان میں لایا گیا ، اب تک جان چکی تھی کہ اس شخص کے اندر ایک علوی قوت موجود ہے جو اس کے دل میں زندگی اور روشنی کا عکس ڈال رہی ہے اور اس کی روح میں تقدس کا ایک نیا جذبہ پیدا کر رہی ہے - اس نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ اس حس کو محسوس کیا جو ایک دوشیزہ کے دل کو اس پھول کی طرح شگفتہ کرتی ہے ، جو شبنم کے قطرے پی کر عطر کی خوشبو خارج کرے -

اس مخفی جذبہ سے زیادہ خوشگوار اور شیریں جذبہ کوئی نہیں ہوتا جو بے خبری کے عالم میں ایک دوشیزہ کے دل میں پیدا ہو کر اس کے سینے کے خلاء کو نغمہ ھائے سحری سے بھر دیتا ہے ، اس کے دنوں کو شاعروں کے خواب کی سی رنگینی بخشتا ہے اور اس کی راتوں کو پیغمبروں کی طرح بنا دیتا ہے - اور قدرت کے اسرار میں اس میلان سے قوی تر اور حسین تر کوئی میلان

نہیں ہوتا جو ایک کنواری لڑکی کے سکون دل کو حرکت میں لاتا ہے اور جس سے ایام گزشتہ کی یاد فنا ہو جاتی ہے اور آئندہ آرزوؤں کی شیرینی ایک نئی زندگی بخشتی ہے۔

قوت جذبات اور نرمئی احساسات کے لحاظ سے لبنان کی دوشیزہ تمام قوموں کی دوشیزاؤں سے ممتاز ہے۔ کیونکہ اس کی سادہ تربیت جو اس کی قوت عقلیہ کو نشو و نما پانے نہیں دیتی اور اس کے ارتقائے ادراک کو روک لیتی ہے اس کی ذات کو اپنے نفس کا میلان اور اپنے دل کے مخفیات معلوم کرنے میں مشغول رکھتی ہے۔ لبنان کی دوشیزہ ایک چشمے کی مانند ہے، جو سنگلاخ زمین کے سینے سے نکلتا ہے لیکن اسے کوئی رستہ نہیں ملتا کہ وہ نہر بن کر سمندر تک جا پہنچے۔ وہ چشمہ ایک پر سکون جھیل کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کی سطح پر چاند اور تاروں کی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں۔

خلیل کو بھی علم تھا کہ مریم کی روح اس کی روح کے گرد موجیں مار رہی ہے۔ وہ جان گیا کہ وہ مقدس شعلہ جو اس کے دل کا احاطہ کیے ہوئے ہے مریم کے دل تک بھی پہنچ چکا ہے۔ وہ پہلے اس خیال پر خوش ہوا اور پھر اسے خیال آیا کہ یہ روحوں کی ایک مفاہمت ہے جو میرے اس گاؤں سے دور چلے جانے پر کہر کی طرح چھٹ جائے گی۔ وہ دل میں سوچنے لگا: ”اے خدا! یہ کیا مخفی اسرار ہیں جو ہمارے ساتھ کھیل رہے ہیں اور ہم غافل ہیں۔ یہ کیا قوانین قدرت ہیں کہ ایک دفعہ ہمیں غم و الم میں مبتلا کر دیتے ہیں اور دوسری دفعہ راحت و مسرت بخشتے ہیں۔ کبھی ہم پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے مسکراتے نظر آتے ہیں اور کبھی وادی کی

گہرائیوں میں درد کے مارے چیخنے لگتے ہیں ۔ یہ زندگی کیا چیز ہے جو کبھی ہمیں ایک حبیب کی طرح اپنے سینے سے لگتی ہے اور کبھی دشمن بن کر ہمیں ضعیف بنا دیتی ہے ۔ کیا میں کل گرجا کے راہبوں کے درمیان ایک مجبور و مظلوم انسان نہ تھا ؟ کیا میں نے اس حقیقت کے لیے جو قدرت نے میرے سینے میں روشن کر دی تھی عذاب و استہزا کو قبول نہیں کیا تھا ؟ کیا میں نے راہبوں سے نہیں کہا تھا کہ انسان کو سعادت اللہ کی مرضی سے حاصل ہوتی ہے ؟ یہ خوف کیسا ہے اور اس نور کی طرف سے جو اس دوشیزہ کی آنکھوں سے نکل رہا ہے اپنی آنکھوں کو کیوں بند کر رہا ہوں اور اپنا رخ کیوں پھیرتا ہوں ؟ میں نکالا ہؤا ہوں اور یہ فقیر ہے لیکن کیا انسان صرف روٹی کے لیے ہی زندہ رہتا ہے اور دین و وفا کوئی چیز نہیں ؟ کیا ہم مفلسی اور فارغ البالی کے درمیان اسی طرح نہیں جس طرح درخت موسم سرما اور موسم بہار کے درمیان ہوتے ہیں ؟ لیکن ہاں ! اگر راحیل کو یہ معلوم ہو گیا کہ راہب خانہ سے نکالے ہوئے نوجوان کی روح اور اس کی اکلوتی بیٹی کی روح آپس میں مل کر نور اعلیٰ کے دائرہ کے قریب ہو گئی ہیں تو وہ کیا کہے گی ؟ اور اگر اسے معلوم ہو گیا کہ وہ نوجوان جسے اس نے موت کے منہ سے نجات دلائی تھی اس کی بیٹی سے رفاقت گانٹھ بیٹھا ہے تو وہ کیا کرے گی ؟ اور پھر اس گاؤں کے سادہ لوح لوگوں نے جب یہ سنا کہ ایک نوجوان جس نے راہب خانہ میں پرورش پائی اور وہاں سے نکالا گیا وہ اب اس گاؤں میں آ کر ایک حسین دوشیزہ کے ساتھ دن بسر کر رہا ہے تو وہ کیا کہیں گے ؟ اگر میں نے

ان سے کہا کہ میں راہب خانہ سے غداری کر کے تمہارے پاس زندگی بسر کرنے آیا ہوں اور اس کی یہی مثال ہے جیسے ایک پرندہ قفس کی تاریکی سے نکل کر روشنی اور آزادی میں آ جائے تو کیا وہ اپنے کان بند نہ کر لیں گے ؟ اور اگر شیخ عباس نے ، جو ان مسکین کسانوں کے درمیان اس طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے جیسے غلاموں کے درمیان آقا ، میری کہانی سنی تو وہ کیا کہے گا ؟ اور اگر لوگوں نے گاؤں کے پادری کو وہ سب باتیں بتا دیں جن کے باعث مجھے راہب خانہ سے نکالا گیا ہے تو وہ کیا کیا نہ کرے گا ؟ "

خلیل آتش دان کے پاس اپنے دل کے ساتھ باتیں کر رہا تھا - لیکن مریم اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر اس کے بشرے سے بڑھ رہی تھی اور اس کے افکار کی آواز اپنے سینے سے نکلتی محسوس کر رہی تھی -

دوسرے دن خلیل چھوٹی کھڑکی سے وادی کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں شجر و حجر برف سے اس طرح ڈھکے ہوئے تھے جیسے مردے کفن میں لپٹے ہوتے ہیں - مریم آئی اور اس کے قریب کھڑی ہو کر کھڑکی میں سے فضا کی طرف دیکھنے لگی - خلیل اور قریب ہو گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا - جب دونوں کی آنکھیں ملیں تو خلیل نے گرم آہ بھری ، پھر اپنا منہ موڑ لیا اور آنکھیں بند کر لیں - اسے ایسا معلوم ہؤا کہ اس کی روح اس کے تن سے نکلی جا رہی ہے -

ایک لمحہ کے بعد مریم نے حوصلہ کر کے پوچھا : " جب یہ برف پگھل جائے گی اور راستے کھل جائیں گے تو تم کہاں جاؤ گے ؟"

خلیل نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولیں اور دور آفق کی جانب دیکھ کر بولا: ” میں نہیں جانتا کہ تقدیر مجھے کہاں لے جائے۔“

مریم کی روح کانپ اٹھی اور اس نے آہ بھر کر کہا: ” تم اسی گاؤں میں کیوں قیام نہیں کرتے تاکہ ہمارے قریب رہو۔ کیا یہاں کی زندگی دور افتادہ پردیس سے بہتر نہیں ؟“
خلیل اس کے الفاظ کی رقت اور اس کی آواز کی موسیقی سے مضطرب ہو کر بولا :—

” اس گاؤں کے لوگ کبھی پسند نہ کریں گے کہ راھب خانہ سے نکلا ہؤا آدمی اُن کا ھمسایہ بنے ۔ اور وہ کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ میں اس فضا میں سانس لوں جو اُن کو زندہ رکھتی ہے کیونکہ وہ راھبوں کے دشمن کو اللہ اور اس کے مقدسین کا کافر خیال کرتے ھیں ۔“

مریم خاموش ھو گئی گویا مجروح کن حقیقت نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی ہے ۔ خلیل نے اپنے سر کو ھاتھ کا سہارا دے کر کہا :—

” مریم ! ان دیہات کے باشندوں نے راھبوں اور پادریوں سے یہ تعلیم پائی ہے کہ ھر ایسے شخص سے بغض و عناد رکھیں جو اپنی عقل و فکر سے کام لیتا ھو ۔ وہ ان کے مقلد ھیں ، اور انہی کی طرح ایسے شخصوں سے دور رہتے ھیں جو اپنی زندگی آزادی سے گزاریں اور غلامی قبول نہ کریں ۔ اگر میں اس گاؤں میں رہ گیا اور میں نے یہاں کے باشندوں سے کہا کہ آؤ بھائیو ! ھم اپنی مرضی کے مطابق نماز پڑھیں اور اس طرح عبادت نہ کریں جس طرح راھب اور پادری چاھتے ھیں

کیونکہ اللہ کا منشا یہ نہیں کہ وہ ایسے جاہلوں کا معبود بنے جو غیر اللہ کی تقلید کرتے ہیں تو یہ لوگ مجھے ملحد قرار دیں گے اور کہیں گے کہ یہ شخص اس حاکمیت سے عناد رکھتا ہے جو اللہ نے پادریوں کو بخشی ہے ۔ اور اگر میں نے کہا کہ اے بھائیو ! اپنے ضمیر کی آواز سنو اور اپنی روح کے ارادہ پر چلو تو وہ کہیں گے کہ یہ شریر انسان ہے اور ہمیں ان واسطوں سے کفر کرنا سکھاتا ہے جو اللہ نے زمین اور آسمان کے درمیان قائم کیے ہیں ۔

خلیل نے مریم کی آنکھوں کی طرف دیکھا اور نقرئی تاروں کی سی آواز میں بولا: ” سن اے مریم ! اس گاؤں میں ایک ایسی جادو بھری تاثیر ہے جس نے مجھے مسخر کر لیا ہے ۔ خدائی طاقت نے مجھے راہبوں کے ظلم و سنگ دلی سے بچایا تھا لیکن اس گاؤں میں موت میری آنکھوں سے آنکھیں ملا رہی ہے ۔ یہاں میری روح اللہ کی روح سے جا ملی ہے ۔ میں اس گاؤں میں ایک خوشنما پھول دیکھتا ہوں جو کانٹوں میں پڑا ہے ۔ اس پھول کی خوبصورتی نے مجھے اپنی طرف مائل کر لیا ہے اور اس کی خوشبو نے میرے دل و دماغ کو معطر کر دیا ہے ۔ کیا میں اس پھول کو چھوڑ کر تبلیغ کا کام کرتا ہؤا ایسی جگہوں پر چلا جاؤں جو مجھے راہب خانہ سے دور کریں ۔ یا اس پھول کے پاس رہ کر اپنے افکار و خیالات کی قبر اپنے ہاتھوں سے انہیں کانٹوں کے درمیان کھودوں جو اس پھول کو گھیرے ہوئے ہیں ؟ مریم ! مجھے کیا کرنا چاہیے ۔“

مریم نے یہ الفاظ سنے اور اس طرح کانپ اٹھی جس طرح نسیم سحر کے سامنے پھول تھر تھراتا ہے ۔ اس کے دل کی

شعاعوں نے اس کے رخساروں کو منور کر دیا اور وہ شرما کر بولی : ”آپ میں ایک مخفی قوت موجود ہے جو خود عادل و منصف ہے ۔ وہ جس طرح کہے اس طرح کیجیے ۔“

اس لمحے خلیل اور مریم کے دل مل گئے اور ان کی ذات ایک شعلے میں منتقل ہو گئی جس سے چاروں طرف نور پھیل گیا اور بخارات مفقود ہو گئے ۔

ابتدائے زمانہ سے لے کر ہمارے عہد تک موروثی شرف کا رواج ہمیشہ قوموں کے مذہبی پیشواؤں اور حکمرانوں کا موید و حلیف رہا ہے ۔ یہ ایک ایسی بدعت ہے جس نے سماج کی گردن کو اپنے چنگل میں جکڑ رکھا ہے ۔ اور اس کو اس وقت تک زوال نہیں ہو گا جب تک دنیا سے جہالت دور نہ ہو اور جب تک ہر مرد کی عقل حکمران اور ہر عورت کا دل مذہبی پیشوا نہ بن جائے ۔

موروثی شرف کا دعوے دار اپنا محل کمزور فقیروں کی ہڈیوں سے تعمیر کرتا ہے اور مذہبی پیشوا اپنا معبد ایمان والوں کی قبروں پر بناتا ہے ۔ حکمران مسکین کسان کے بازو پکڑتا ہے اور پادری اپنا ہاتھ اس کی جیب کی طرف بڑھاتا ہے ۔ حاکم ماتھے پر تیوری ڈال کر گلہ بان کو گھورتا ہے اور سرمایہ داروں کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے لیکن چیتے کے لالچ اور بھیڑیے کے تبسم کے درمیان گلہ فنا ہو جاتا ہے ۔ حاکم قانون کے محافظ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پادری دین کی نمائندگی کا مدعی ہوتا ہے لیکن دونوں کے درمیان جسم فنا اور روحیں پژمردہ ہو جاتی ہیں ۔

کوہ لبنان میں جو نور آفتاب سے لے کر نور معرفت تک کا سرمایہ دار ہے حاکم اور پادری متحد ہو کر کمزور فقیر پر حملہ کرتے تھے۔ وہ کمزور جو ہل جوتتا اور اس سے غلہ پیدا کرتا تھا تاکہ اپنے جسم کو اول الذکر کی تلوار اور مؤخرالذکر کی لعنت کا شکار کر دے۔

لبنان میں موروثی شرف کا دعوےدار اپنے محل کے پاس کھڑا ہو کر چلاتا ہے: "میں بادشاہ کی طرف سے تمھارے جسموں کا مالک بنایا گیا ہوں۔" اور پادری قربان‌گاہ کے پاس اکڑ کر کہتا ہے: "خدا نے مجھے تمھاری روحوں کا مالک بنایا ہے۔" لیکن اہل لبنان خاموش رہتے ہیں کیونکہ مٹی بھرے دل ڈوٹا نہیں کرتے اور مردے رویا نہیں کرتے۔

شیخ عباس جو اس گاؤں کا مالک، حاکم اور امیر تھا راہب خانہ کے راہبوں سے بہت محبت رکھتا تھا۔ وہ ان کی تعلیمات و تقلیدات کا محافظ تھا کیونکہ راہب اس کے مزارعوں کے باطن کا نور معرفت فنا کرنے اور انھیں غلامی سکھانے کے کام میں اسے اپنے ساتھ شریک کرتے تھے۔

اس روز، جب خلیل اور مریم عرش محبت کے قریب پہنچ گئے تھے اور راحیل ان کے دبے ہوئے جذبات کو لطف و شفقت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی گاؤں کا پادری الیاس شیخ عباس کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا: "مقدس راہبوں نے ایک شریر و سرکش نوجوان کو معبد سے نکال دیا تھا۔ اب وہ کافر و ملحد دو ہفتے سے اس گاؤں میں آیا ہؤا ہے اور سمعان کی بیوہ راحیل کے گھر مقیم ہے۔"

الیاس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ مزید کہا کہ: "جس

شیطان کو راھب خانہ سے نکال دیا گیا ھے ، وہ یہاں آ کر فرشتہ نہیں بن سکتا ۔ جس درخت کو باغبان کاٹ ڈالے اور آگ میں جھونک دے وہ پھل نہیں دیتا ، بلکہ چولھے میں جلتا ھے ۔ ھم چاھتے ھیں کہ ھمارا گاؤں کفر و الحاد کے جراثیم سے محفوظ رھے ۔ ھمارا فرض ھے کہ ھم اس نوجوان کو اپنے مکانوں اور کھیتوں سے اسی طرح باھر نکال دیں ، جس طرح وہ راھب خانہ سے نکال دیا گیا ھے ۔"

عباس نے سوال کیا : " تم کیسے جانتے ھو کہ وہ نوجوان کفر و الحاد کے خبیث امراض میں گرفتار ھے ؟ کیا ھمارے لیے یہ بہتر نہ ھو گا کہ اسے یہیں رھنے دیں اور اپنے تاکستانوں کا رکھوالا یا مویشیوں کا چرواھا بنا لیں ؟ ھمیں مزدوروں کی ضرورت ھے ، اور اگر ایک طاقت ور نوجوان ادھر آ نکلا ھے تو ھمیں خوش ھونا چاھیے نہ کہ اسے نکال دینا چاھیے ۔"

پادری کے لبوں پر وہ مسکراھٹ نمودار ھوئی جو اژدھے کے منہ پر دکھائی دیا کرتی ھے ۔ اس نے اپنی گھنی داڑھی کو انگلیوں سے خلال کرتے ھوئے کہا : " اگر یہ نوجوان کام کا آدمی ھوتا تو راھب ھی اسے کیوں نکالتے ، جن کی اراضی وسیع اور مویشیوں کے گلے بے حساب ھیں ؟ مجھے راھب خانہ کے ایک باغبان نے ، جو کل رات میرے ھاں ٹھہرا تھا ، بتایا ھے کہ اس نوجوان نے راھبوں کے سامنے آیات کفر پڑھیں ۔ اس نے یہ جرأت کئی بار کی ۔ اور ان سے مخاطب ھو کر بولا کہ راھب خانہ کے کھیت اور تاکستان اور مال و متاع ان دیہات کے غریب باشندوں کو واپس دے دو اور ھر طرف پھیل جاؤ کیونکہ یہ عمل نماز اور عبادت سے بہتر ھے ۔ اور باغبان نے

مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ زجر و توبیخ کی سختی ، کوڑوں کی شدت اور قید خانے کی تاریکی اس کافر کو راہ راست پر نہ لا سکی بلکہ شیطان نے اس پر زیادہ قبضہ پا لیا ۔ جس طرح کوڑے کرکٹ کی گندگی حشرات الارض کی تعداد کو بڑھاتی ہے ۔"

شیخ عباس اٹھ کر کھڑا ہو گیا ۔ جس طرح چیتا حملہ کرنے سے پہلے تھوڑا سا پیچھے کی طرف ہٹتا ہے ۔ وہ ایک لمحہ تک خاموش رہا اور پھر جوش غضب سے دانت پیسنے لگا ۔ اس نے بلند آواز سے اپنے نوکروں کو آواز دی ۔ تین خادم حاضر ہوئے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر حکم کا انتظار کرنے لگے ۔ شیخ بولا : " راحیل بیوہ کے گھر میں ایک مجرم نوجوان ہے جس نے راہبوں کا لباس پہن رکھا ہے ۔ جاؤ اور اس کی مشکیں کس کر اسے یہاں لے آؤ ۔ اگر وہ عورت کسی قسم کی مداخلت کرے تو اسے بھی پکڑ لو اور سر کے بالوں سے پکڑ کر برف میں گھسیٹتے ہوئے لے آؤ کیونکہ شریر کا مددگار بھی شریر ہوتا ہے ۔"

نوکروں نے سر جھکایا اور جلدی سے باہر نکلے تاکہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کریں ۔ شیخ عباس اور پادری وہیں کھڑے یہ گفتگو کرنے لگے کہ نوجوان اور راحیل کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے ۔

دن گزر گیا اور رات سر پر آ گئی ، جس نے اپنا سایہ برف سے ڈھکے ہوئے مکانات پر ڈال دیا ۔ تاریک و سرد فضا میں ستارے جھلملانے لگے ، جس طرح نزع اور موت کی

جانستانیوں کے بعد بہشت کی آمید جھلکتی ہے ۔ کسانوں نے اپنے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں اور چراغ جلا کر آتش دانوں کے گرد بیٹھ گئے ۔ رات کی وسعتیں ان کے مکانوں کے گرد منڈلا رہی تھیں ۔

اس وقت راحیل ، مریم اور خلیل ایک چوبی دسترخوان (چوکی) کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور شیخ عباس کے نوکر اندر داخل ہوئے ۔ راحیل خوفزدہ ہو گئی اور مریم نے ایک چیخ ماری لیکن خلیل پر سکون تھا ۔ کیونکہ اس کا عظیم دل متنبہ ہو چکا تھا اور اس نے ان آدمیوں کے آنے کا سبب جان لیا تھا ۔ ایک نوکر آگے بڑھا اور خلیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا : " راھب خانہ سے نکلے ہوئے نوجوان تمہیں ہو ؟"

خلیل نے جواب دیا : " ہاں میں ہی ہوں ۔ کیا چاہتے ہو ؟"

نوکر نے کہا : " ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری مشکیں کس کر تمہیں شیخ عباس کے مکان پر لے چلیں ۔ اگر تم نے تعرض کیا تو تمہیں مردہ بکرے کی طرح گھسیٹ کر لے جائیں ۔"

راحیل اٹھ کھڑی ہوئی ۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا اور پیشانی پر شکن پڑ گئی ۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا : " اس کا قصور کیا ہے جس کے باعث شیخ نے اسے طلب کیا ۔ اور تم اس کی مشکیں کس کر کیوں لے جانا چاہتے ہو ؟"

مریم نے یاس آگیں آواز میں کہا : " وہ اکیلا ہے اور تم تین ہو ۔ پھر کیا باعث ہے کہ تم اسے ذلت اور عذاب کے

ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔"

نوکر غضب کے مارے چیخ اُٹھا اور بولا : " کیا اس گاؤں میں کوئی ایسی عورت بھی ہو سکتی ہے جو شیخ عباس کی مرضی سے تعرض کرے ؟"

یہ کہہ کر اس نے ایک موٹی رسی نکالی تاکہ اس سے خلیل کی مشکیں کس لے - خلیل اُٹھ کر کھڑا ہو گیا - اس کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہؤا - وہ سر اُٹھائے اس طرح کھڑا تھا جیسے بگولوں کے سامنے برج - اُس کے لبوں پر محزوں تبسم رقص کر رہا تھا - اُس نے شیخ کے نوکروں سے مخاطب ہو کر کہا : " مجھے تمھاری حالت پر رحم آتا ہے کیونکہ تم ایک ضعیف مبصر کے ہاتھوں میں اندھے آلہ کی مانند ہو - وہ تم پر ظلم کرتا ہے اور تمھارے بازوؤں سے کمزوروں کو پامال کراتا ہے - تم جہالت کے بندے ہو جو حبشی کے چہرے سے زیادہ سیاہ ہے - اور تمھاری بے بسی پر حیف ہے - میں کل تک تمھاری ہی طرح تھا ، اور کل تم بھی میری طرح ہو جاؤ گے لیکن اب ایک گہری تاریکی میری آواز اور تمھارے کانوں کے درمیان ایک دبیز پردہ بنی ہوئی ہے - تم نہ سن سکتے ہو نہ دیکھ سکتے ہو - آؤ میری مشکیں کس لو اور جو جی میں آئے کرو -"

نوکروں نے یہ باتیں سنیں ، ان کی آنکھیں پتھرا سی گئیں ، ان کے بدن لرزنے لگے ، وہ سکتہ کے عالم میں نوجوان کی طرف دیکھ رہے تھے گویا اس آواز کی شیرینی نے ان کے جسموں کی حس و حرکت مفقود کر دی ہے اور ان کے دلوں کی گہرائیوں میں علوی جذبات موجزن ہونے لگے ہیں - لیکن چند

لمحوں کے بعد پھر اپنی حالت پر آ گئے گویا شیخ عباس کی آواز ان کے کانوں میں گونج گونج کر انھیں متنبہ کر رھی ھے اور انھیں یاد آ گیا ھے کہ وہ کس کام کے لیے آئے ھیں ۔ وہ بڑھے اور خلیل کی مشکیں کس کر اسے پکڑے ھوئے خاموشی سے باھر نکلے ۔ ان کے چہروں سے ایسے معلوم ھوتا تھا کہ وہ اپنے ضمیر کے پردوں میں رنج و الم محسوس کر رھے ھیں ۔ راحیل اور مریم بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ھو گئیں جس طرح یروشلم کی لڑکیاں حضرت عیسیٰ علیہ‌السلام کے پیچھے ھو لی تھیں، جب کہ آپ کو صلیب پر لٹکانے کے لیے لے جایا جا رھا تھا ۔ وہ دونوں خلیل کے پیچھے پیچھے شیخ عباس کے مکان تک گئیں ۔

چھوٹے دیہات کے کسانوں میں چھوٹی بڑی خبریں بہت جلد پھیل جاتی ھیں کیونکہ اجتماعی مشاغل سے دوری کے باعث وہ اپنے ھی محدود حلقے کے واقعات پر انحصار رکھتے ھیں ۔ خصوصاً سردی کے ایام میں جب کہ کھیت اور باغات برف کی چادروں میں لپٹے ھوئے ھوتے ھیں اور انسان آتش‌دانوں کے پروانے بن جاتے ھیں ۔ دیہاتیوں کو بڑی خواھش یہ ھوتی ھے کہ اپنے بے کار دن خبروں کی دلچسپی میں گزاریں اور سرد راتیں اطلاعات پر تبصرہ کرنے میں بسر کریں ۔

شیخ عباس کے آدمیوں نے جونہی خلیل کو گرفتار کیا یہ خبر گاؤں کے باشندوں میں وبا کی طرح پھیل گئی ۔ وہ اپنے اپنے مکان چھوڑ کر منتشر سپاھیوں کی طرح ھر طرف سے بہ سرعت بھاگے اور جونہی نوجوان کو شیخ کے مکان میں داخل کیا گیا وہ وسیع مکان عورتوں اور مردوں اور بچوں سے پر ھو

گیا۔ سب کے سب پر شوق نگاہوں سے کافر کی طرف دیکھ رہے تھے جو راہب خانہ سے نکالا گیا تھا ۔ وہ اپنی گردنیں بڑھا بڑھا کر خلیل اور راحیل و مریم کی طرف دیکھتے تھے جنھوں نے ایک شریر انسان کی رفاقت کا دم بھر کر ان کے گاؤں کی فضا کو مسموم اور جہنمی بنا دیا تھا ۔

شیخ عباس ایک اونچی مسند پر جلوہ افروز تھا اور الیاس یہودی اس کے پاس بیٹھا تھا۔ سامنے کسان اور نوکر چاکر کھڑے تھے اور وسط میں خلیل جس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں ، اس طرح سینہ تانے کھڑا تھا جیسے گڑھوں کے درمیان بلند تودہ ۔ البتہ راحیل و مریم جو اس کے پیچھے کھڑی تھیں خوف زدہ معلوم ہوتی تھیں اور ظالم قوم کی نگاہیں ان کے دل کو دردناک کر رہی تھیں ۔ لیکن خوف اس عورت کے لیے کیا حقیقت رکھتا ہے جس نے حق و راستی کو پہچان کر اس کی متابعت کی ہو اور ظالم کی نگاہیں اس دوشیزہ کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں جس نے محبت کی آواز کو سنا اور اس پر لبیک کہا ہو ۔

شیخ عباس نے نوجوان کی طرف دیکھا اور ایسی آواز میں جو موجوں کے شور سے مشابہت رکھتی تھی کہا : ” اے شخص تیرا نام کیا ہے ؟“

نوجوان نے جواب دیا : ” مجھے خلیل کہتے ہیں ۔“ شیخ بولا : ” تمھارا خاندان کون سا ہے اور کہاں کے رہنے والے ہو؟“

خلیل نے ان کسانوں کی طرف نگاہ کی جو اس کی طرف نفرت اور استہزا کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور کہا : ” یہی مظلوم

فقرا و مساکین میرا خاندان ہیں اور یہی وسیع دیہات میرا وطن ہیں۔"

شیخ عباس نے استہزا کے طور پر تبسم کیا اور کہا: "تم جن لوگوں سے اپنا نسب ملاتے ہو وہ تمہیں سزا دلانا چاہتے ہیں۔ اور جن دیہات کو تم اپنا وطن بتاتے ہو وہ نہیں چاہتے کہ تم یہاں سکونت اختیار کرو۔"

خلیل نے مضطرب ہو کر جواب دیا: "جاہل اقوام اپنے شریف بیٹوں کو گرفتار کر کے ظالموں کی سنگ دلی کے حوالے کر دیتی ہیں۔ اور ذلت و خواری کے گڑھے میں پھنسے ہوئے دیہات اپنے محبوبوں اور مخلصوں پر جور و ستم کرتے ہیں لیکن ماں اپنے نیک بیٹے کو نہیں چھوڑتی، خواہ بیٹا مریض ہو۔ اور بھائی نیک بھائی کا ساتھ نہیں چھوڑتا، خواہ وہ تباہ حال ہو۔ یہ مسکین جنہوں نے مجھے آج رسوں میں جکڑ کو تمہارے حوالے کیا ہے، کل اپنی گردنیں تمہارے حوالے کر چکے ہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے مجھے تمہارے سامنے پیش کیا ہے، وہی ہیں جنہوں نے تمہارے کھیتوں میں اپنے دلوں کے بیج بوئے ہیں اور تمہارے قدموں پر اپنے جسموں کا خون بہایا ہے۔ اور یہ زمین جو مجھے سکونت کی اجازت نہیں دیتی، وہی زمین ہے جو ظالموں اور لالچیوں کو نگل نہیں جاتی۔"

شیخ نے قہقہہ لگایا گویا اپنی مکروہ ہنسی میں نوجوان کی روح کو غرق کرنا اور اسے حاضرین کی روحوں میں پیوست ہونے سے روک دینا چاہتا ہے۔ پھر بولا: "کیا تم راہب خانہ میں چرواہے نہ تھے؟ اگر یہ صحیح ہے تو بتاؤ کہ تم نے

اپنے گاؤں کو کیوں چھوڑا اور وہاں سے نکالے کیوں گئے ؟ کیا تمھارا یہ خیال تھا کہ ملحدین کو اپنے اندر جذب کر لینے میں اہل قوم ان پرہیزگار راہبوں کی بہ نسبت زیادہ نرم دل ہوں گے ؟"

خلیل نے جواب دیا : " میں چرواہا تھا لیکن قصاب نہیں تھا ۔ میں گاؤں کو سرسبز چراگاہوں اور لہلہاتے سبزہ زاروں میں لے جاتا ، خشک اور بے گیاہ پہاڑیوں پر نہیں ۔ میں انھیں زندگی کی شیرینیوں کی طرف لے جاتا تھا اور فاسد راہوں سے دور رکھتا تھا ۔ میں شام کو انہیں واپس باڑے میں لے آتا تھا نہ کہ بھیڑیوں اور چیتوں کا شکار بننے کے لیے وادی میں چھوڑ آتا تھا ۔ میں حیوانات کے ساتھ یہ سلوک کرتا تھا اور اگر تم اس انسانی گلے کے ساتھ ایسا سلوک کرتے جو ہمارے گرد جمع ہے ، تو آج اس عالی‌شان قصر کے مالک نہ ہوتے اور یہ بے چارے اپنے تاریک جھونپڑوں میں بھوکوں نہ مرتے ۔ اگر تم خدا کی سادہ دل مخلوق کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے جیسا میں نے راہب خانہ کے مویشیوں کے ساتھ کیا تو تم اس ریشمی مسند پر بیٹھے نظر نہ آتے اور یہ لوگ تمھارے سامنے اس طرح دکھائی نہ دیتے جیسے ننگی شاخیں ہوائے شمال کے سامنے۔

شیخ نے حرکت کی ۔ اس کی پیشانی پر سرد پسینے کے قطرے جھلکنے لگے لیکن اس نے اپنے چہرے کو درست کر لیا تاکہ اس کی رعایا پر اس کے دل کی کیفیت ظاہر نہ ہو جائے ۔ پھر اس نے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا : " تمھاری مشکیں کسوا کر تمھیں یہاں اس لیے نہیں بلوایا گیا ہے کہ تمھاری لغو گفتگو

سنیں- بلکہ تمھیں اس لیے حاضر کیا گیا ہے کہ ایک شریر مجرم کی طرح تمھارا محاکمہ کیا جائے۔ لہذا معلوم رہے کہ تم گاؤں کے سردار امین الشہابی ایدہ اللہ کے جانشین کے سامنے کھڑے ہو اور الیاس پادری کے سامنے موجود ہو جو اس مقدس گرجا کی نمائندگی کرتا ہے جس کی تم نے توہین کی ہے۔ اس لیے اپنے الزامات کے خلاف صفائی پیش کرو یا ہمارے سامنے اور اس مجمع کے سامنے جھک جاؤ اور نادم ہو کر رحم کی درخواست کرو۔ ہم تمھیں معاف کر دیں گے اور اسی طرح گایوں کا چرواہا بنا دیں گے جس طرح تم راہب خانہ میں تھے۔"

نوجوان نے بے پروائی سے جواب دیا: " مجرم کا انصاف مجرم نہیں کیا کرتے اور سرکشوں کی صفائی گنہ گار نہیں سنا کرتے۔"

یہ الفاظ کہہ کر خلیل نے اس وسیع مکان کے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ پھر ایسی آواز میں جو چاندی کی گھنٹیوں کی آواز سے مشابہ تھی، کہا: " اس شخص نے جسے تمھاری بے چارگی اور فرماں برداری نے تمھارے کھیتوں کا مالک بنا رکھا ہے میری مشکیں کسوا کر مجھے اس لیے یہاں بلایا ہے کہ تمھارے سامنے اس محل میں جس کی بنیاد تمھارے آبا و اجداد کی ہڈیوں پر رکھی گئی ہے، میرا محاکمہ کرے۔ اور وہ شخص جسے تمھارے ایمانوں نے تمھارے گرجا کا پادری بنایا ہے، میرا انصاف کرنے آیا ہے۔ مجھے سزا دینے اور ذلیل کرنے میں شیخ کی اعانت کرنا چاہتا ہے۔ اور تم اس سرعت کے ساتھ ہر طرف سے بھاگتے ہوئے یہاں آئے ہو تاکہ مجھے رنج و الم میں مبتلا اور رحم کے لیے گڑگڑاتا ہوا دیکھو۔ تم اپنے آتش دانوں کی گرم فضا چھوڑ کر یہ دیکھنے آئے ہو کہ کس طرح تمھارا بیٹا اور

تمہارا بھائی جکڑا ہؤا لایا گیا ہے ۔ ایک دکھی شکار کو شکاریوں کے پنجے میں دیکھنے آئے ہو ۔ تم ایک مجرم کافر کو عدالت کے سامنے کھڑا دیکھنے آئے ہو ۔ وہ مجرم میں ہی ہوں ۔ ہاں ! میں ہی وہ کافر ہوں جسے طوفان باد نے اٹھا کر تمہارے گاؤں میں پھینک دیا ہے ۔ میں وہی شریر ہوں ۔ میرا احتجاج سنو اور میرے ساتھ شفقت نہ کرو بلکہ انصاف کرو ، کیونکہ شفقت ضعیف اور خطا کار انسانوں کے لیے ہوتی ہے اور بے گناہ انسان انصاف کا طالب ہوتا ہے ۔ میں نے تمہارے انصاف کو قبول کر لیا ہے کیونکہ قوم کا ارادہ اللہ کی مرضی کے مترادف ہوتا ہے ۔ اپنے دلوں کو کھولو اور میری باتوں کو غور سے سنو ۔ پھر جو تمہارا ضمیر کہے اس کے مطابق انصاف کرو ۔ میں نے تم سے کہا ہے کہ میں کافر اور شریر آدمی ہوں لیکن تم میرے قصور سے واقف نہیں ہو ۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ڈاکو اور قاتل کی طرح میری مشکیں کسی ہوئی ہیں لیکن خطا سے آشنا نہیں ہو کیونکہ ان آبادیوں میں جرائم کی حقیقت کہر کے پردے میں چھپی رہتی ہے ۔ البتہ سزا لوگوں پر اس طرح ظاہر ہوتی ہے جیسے بجلی کی تلواریں رات کی تاریکی میں آشکار ہوتی ہیں ۔

" اے مردو ! میرا جرم یہ ہے کہ میں تمہاری بربادی کا احساس اور تمہاری قید غلامی کا شعور رکھتا ہوں ۔ اور اے عورتو ! میرا گناہ یہ ہے کہ میرے دل میں تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے شفقت ہے ۔ اے حاضرین ! میں تم ہی میں سے ہوں ۔ میرے آبا و اجداد نے اسی علاقہ میں زندگی بسر کی اور اسی جگہ سپرد خاک کیے گئے ۔ میں اس خدا پر

ایمان رکھتا ہوں جو تمہارے درد ناک دلوں کی آواز سنتا اور تمہارے زخمی سینوں کو دیکھتا ہے۔ میں اس خدا پر ایمان رکھتا ہوں جس نے دنیا میں مجھے اور تم لوگوں کو رشتۂ اخوت و مساوات میں منسلک کیا ہے۔ میں ان تعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں جنہوں نے مجھے اور تم لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے اور دنیا میں صرف خدا کی متابعت کرنے کا سبق سکھایا ہے۔ میں راہب خانہ میں چرواہا تھا، لیکن بے زبان حیوانوں کے ساتھ پر سکون جنگل میں تنہائی، نے حقیقت کی طرف سے میری آنکھیں بند نہ کر دی تھیں اور میرے کان ان فریادوں کی طرف سے بہرے نہ ہو گئے تھے جو ان جھونپڑیوں سے بلند ہوتی ہیں۔ میں نے راہب خانہ میں دیکھا کہ تم لوگ اپنے کھیتوں میں بھیڑوں کے گلے کی مانند ہو جس کے پیچھے بھیڑیا جا رہا ہے۔ میں بیچ راستے میں کھڑا ہو کر چیخنے چلانے لگا اور بھیڑیے نے مجھ پر حملہ کر کے مجھے دور بھگا دیا تاکہ میرے شور و غل سے بھیڑیں بھیڑیے کو رات کی تاریکی میں تنہا چھوڑ کر ادھر ادھر نہ بھاگ جائیں۔ میں نے اس حقیقت کے لیے جو تمہارے چہرے پر خون کے حرفوں سے لکھی ہے قید خانہ، بھوک اور پیاس کی تکلیفیں سہیں۔ کوڑوں کا عذاب اور استہزا کی زحمت برداشت کی کیونکہ میں نے راہب خانہ کی وسعتوں میں تمہاری جمعیت قلب کے لیے صدائے فغاں بلند کی۔ لیکن یہ تکلیفیں میرے دل کو بے حوصلہ نہ کر سکیں کیونکہ تمہاری المناک فریاد میرے کانوں میں لگاتار آ رہی تھی اور میری قوتوں کو تازہ کر رہی تھی۔ میں نے ظلم و جور اور موت سے محبت کرنا

سیکھ لیا تھا ۔

" تم لوگ اپنے دل سے پوچھو کہ ہم میں سے کس نے آواز بلند کی تھی اور وہ کون ہے جو لب کھولنے کی جرأت کرے ؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ تمہارے مظلوم دل ہر روز فریاد کرتے ہیں اور ہر رات درد سے بے قرار ہوتے ہیں لیکن تم اپنے دل کی آواز نہیں سنتے ۔ تم اس شخص کی مانند ہو جس پر نزع کی کیفیت طاری ہو ۔ وہ اپنے سینے کی آواز نہیں سنتا لیکن اس کے تیمار دار سنتے ہیں ۔ ذبح کیا ہؤا پرندہ پھڑپھڑاتا ہؤا رقص کرتا ہے لیکن یہ رقص بے ارادہ ہوتا ہے اور وہ اس سے واقف نہیں ہوتا ۔ البتہ جو لوگ اسے دیکھتے ہیں وہ جانتے ہیں ۔

" تمہیں بتاؤ کہ دن میں وہ کون سا وقت آتا ہے جب تمہاری روحیں درد سے بے قرار نہیں رہتیں ؟ صبح کے وقت جب جھٹپٹا تمہاری آنکھوں سے نیند کا پردہ ہٹا دیتی ہے تو تم غلاموں کی طرح کھیتوں میں چلے جاتے ہو ، لیکن دوپہر کے وقت جب تمہاری یہ خواہش ہوتی ہے کہ تم سورج کی حیات سوز شعاعوں کے تیروں سے بچنے کے لیے درختوں کے سایے میں سستا لو تو تم ایسا نہیں کر سکتے ۔ شام کو جب تم تھکے ماندے گھروں کو واپس آتے ہو تو دیکھتے ہو کہ گھر میں سوکھی روٹیوں اور پانی کے سوا اور کچھ نہیں ۔ رات کو جب تکان تمہیں پتھروں کے بستر پر لٹا دیتی ہے اور تم سو جاتے ہو تو بار بار گھبرا کر اٹھ بیٹھتے ہو اور بے خوابی تمہیں مضطرب رکھتی ہے کیونکہ تمہیں وہم ہوتا ہے کہ شیخ عباس کی آواز کانوں میں آ رہی ہے ۔

" اور پھر سال کے کون سے موسم میں تمھارے دل حسرت و یاس کی آماجگاہ نہیں ہوتے ۔ ربیع کے موسم میں جب کہ فطرت نیا لباس پہن لیتی ہے تم اپنی کھیتیوں کو دیکھنے باہر جاتے ہو لیکن صیف کے موسم میں جب کہ تم فصلیں کاٹتے ہو اور غلے سے اپنے آقا کے گودام بھر دیتے ہو تو تمھیں سوائے بھوسے کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ۔ پھر خریف کے موسم میں جب تم پھل اکٹھے کرتے ہو اور انگوروں کا رس نکالتے ہو تو تمھاری قسمت میں سرکہ اور بلوط کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ اور سردیوں کے موسم میں جب فضا تم پر ستم ڈھاتی ہے اور برف سے ڈھنپے ہوئے جھونپڑوں کی ہوا سردی کے مارے طبقۂ زمہریر بن جاتی ہے تو تم انگیٹھیوں کے گرد بیٹھتے ہو اور طوفان باد اور برف باری کا غضب تمھیں خوف زدہ رکھتا ہے ۔ اے فقیرو! یہ ہے تمھاری زندگی ۔ اے تباہ حال انسانو! یہ ہیں تمھاری راتیں جو تمھاری روحوں پر مسلط ہیں ۔ اے مسکینو ! یہ ہے تمھاری ذلت و رسوائی ۔ یہی وہ پر الم اور پوشیدہ فریاد ہے جسے میں نے تمھارے سینوں کی گہرائیوں سے نکلتے سنا ۔ میں بیدار ہوگیا ، میں نے راہبوں سے سرکشی کی اور ان کی معاشرت سے انکار کیا ۔ میں تمھارے اور عدالت کے نام پر ان سے علحدہ ہوگیا ۔ انھوں نے مجھے کافر و شریر سمجھا اور راہب خانہ سے نکال دیا ۔ میں یہاں آگیا تاکہ تمھیں بربادی سے بچاؤں ، تمھارے قریب رہ کر زندگی بسر کروں اور تمھارے آنسوؤں کے ساتھ اپنے آنسوؤں کی آمیزش کروں ۔ میری مشکیں کس لی گئیں اور مجھے تمھارے قومی دشمن کے سامنے پیش کر دیا گیا جو تمھاری خیرات غصب کرتا ہے ، تمھارے مال سے امیر بن گیا

ہے اور جس کے وسیع گوداموں میں تمھاری محنت کے ثمرات بھرے پڑے ہیں ۔

”کیا تمھارے شیخ یہ نہیں سمجھتے کہ زمین ان کی وراثت ہے ؟ اور کیا وہ تمھیں اس زمین کی پیداوار سے محروم نہیں رکھتے؟ کیا شیخ عباس کے باپ نے ان ایام میں تمھارے بزرگوں کا حق غصب نہیں کیا تھا جب کہ قانون تلوار کی نوک سے لکھا جاتا تھا ؟ کیا تم نے نہیں سنا کہ راہبوں نے تمھارے آبا و اجداد کو مغلوب کر لیا تھا اور ان کی کھیتیوں اور تاکستانوں پر قبضہ جما لیا تھا جب کہ پادریوں کے لبوں سے نکلا ہؤا ہر لفظ انجیل کی آیت متصور ہوتا تھا ؟ کیا تم نہیں جانتے کہ دین کے نمائندے اور موروثی شرف کے دعوے دار تمھاری ذلت و حق تلفی اور تمھارے دل کا خون چوسنے کے لیے تعاون کیے ہوئے ہیں ؟ تم میں سے کون آدمی ہے جس کی گردن پادری نے شیخ کے سامنے نہیں جھکائی ؟ اور تم میں سے کون عورت ہے جسے شیخ نے اس لیے زجر و توبیخ نہیں کی کہ وہ پادری کی پیروی کرے ؟

”تم نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے کہا تھا کہ محنت کر کے روٹی کماؤ ۔ پھر شیخ عباس وہ روٹی کیوں کھاتا ہے جس میں تمھاری پیشانیوں کا پسینہ ملا ہؤا ہے؟ اور وہ شراب کیوں پیتا ہے جس میں تمھارے آنسو مخلوط ہیں ؟ کیا خدا نے اس شخص کے متعلق امتیاز روا رکھا ہے اور اسے تمھارا سردار بنایا ہے تاکہ وہ تمھارے نامعلوم گناہوں کی سزا دے ؟ اور کیا خدا نے تمھیں غلام بنا کر یہ زندگی بسر کرنے کے لیے بھیجا ہے جس میں تم کھیتوں کا غلہ جمع کرتے ہو لیکن تمھارے کھانے

کے لیے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ؟ تم عظیم‌الشان قصر تعمیر کرتے ہو لیکن تمہارے رہنے کے لیے جھونپڑوں کے سوا کچھ نہیں ؟ کیا تم نے یسوع مسیح کا یہ قول سنا ہے کہ آپ نے اپنے شاگردوں سے کہا : ' جو کچھ دو مفت دو اور جو کچھ لو مفت لو اور گھروں میں سونا چاندی اور تانبا جمع نہ کرو ۔' پھر یہ پادری اور راہب کس تعلیم کے ماتحت اپنی نمازوں اور دعاؤں کو چاندی اور سونے کے عوض بیچتے ہیں ؟

" تم رات کے سکون میں دعا مانگتے ہو کہ اے خدا ہمیں روٹی دے اور ہماری زندگی کی ضروریات بخش ۔ خدا نے تمہیں یہ زمین دی ہے کہ تمہاری روٹیوں اور دیگر ضروریات زندگی کی کفالت کرے ۔ لیکن کیا یہ بھی خدا ہی کا حکم ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں سے تمہارا رزق چھین لے ؟ تم یہودا پر اس لیے لعنت بھیجتے ہو کہ اس نے اپنے آقا کو چاندی کے عوض بیچ دیا ۔ لیکن اس کا باعث کیا ہے کہ تم اس شخص کی تعریف کرتے ہو جو ہر روز تمہاری زندگیوں کو بیچتا ہے ؟ بدبخت یہودا اپنے قصور پر نادم ہو گیا تھا ۔ لیکن یہ لوگ سر اٹھائے سونے کے ہار اور بیش قیمت انگوٹھیاں پہنے تمہارے سامنے پھر رہے ہیں ۔

" تم اپنے بچوں کو مسیح ناصری کی محبت کا درس دیتے ہو ، پھر انہیں بغض و عناد کے ان پتلوں کی فرماں برداری کیوں سکھاتے ہو اور مسیح کی تعلیمات اور شریعت کی مخالفت کیوں کرتے ہو ؟ تم نے یہ سیکھا ہے کہ پیغمبر عیسیٰ قتل کیے گئے یا سولی پر لٹکائے گئے محض اس لیے کہ تمہارے اندر مقدس روح پیدا ہو ۔ لیکن کیا تم جانتے ہو کہ یہ راہب اور پادری

تمھاری روحوں کو قتل کرتے ھیں ؟ محض اس لیے کہ تمھاری خیرات سے تمتع حاصل کریں اور تمھاری قید غلامی سے فائدہ آٹھائیں ۔ اے مسکینو ! تمھیں کیا چیز اس ذلت و خواری کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتی ھے اور تم اس خوف ناک بت کے سامنے کیوں سر بہ سجود ھو جسے کذب اور ریا نے تمھارے بزرگوں کی قبروں پر کھڑا کیا ھے ۔ تم اپنی فرماں برداری سے کس گنج فراواں کی حفاظت کر رھے ھو جو تمھاری اولاد کو وراثت میں ملے گا ؟

" تمھاری جانیں پادری کے قبضہ میں ھیں ۔ تمھارے جسم شیخ کی ملکیت ھیں ۔ اور تمھارے دل یاس و غم کی تاریکی میں ھیں ۔ تم اپنی زندگی میں کس چیز کی طرف اشارہ کرکے کہہ سکتے ھو کہ یہ ھماری ھے ؟ اے کمزور فرماں بردارو ! کیا تم جانتے ھو کہ یہ پادری کیا ھے جس کا تم احترام کرتے ھو اور جس کو اپنی روحوں کے مقدس اسرار کا جاننے والا خیال کرتے ھو ؟ سنو ! میں تمھیں بتاتا ھوں جو تم جانتے ھو لیکن اس کے اظہار سے ڈرتے ھو ۔ وہ خائن ھے ۔ عیسائیوں نے اس کے ھاتھ میں کتاب مقدس دی تاکہ وہ اسے ان کا مال چھیننے کا آلہ بنائے ۔ ایمان والوں نے اسے خوبصورت صلیب دی تاکہ وہ اسے تلوار بنائے اور انھی کے سروں پر اس تلوار کو بلند کرے ۔ وہ ظالم ھے اور کمزور انسان اپنی گردنیں اس کے ھاتھ میں دے دیتے ھیں ۔ وہ انھیں رسوں سے باندھتا ھے اور لگام سے قابو میں کر لیتا ھے ۔ پھر آھنی ھاتھ سے اسے مضبوط پکڑ لیتا ھے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک وہ مٹی کے برتن کی طرح ٹوٹ کر راکھ نہ بن جائے ۔ وہ خوف ناک بھیڑیا ھے

جو بھیڑوں کے باڑے میں داخل ہو جاتا ہے ۔ گلہ بان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بھیڑ ہے اور اطمینان کے ساتھ سو جاتا ہے ۔ لیکن جب تاریکی چھا جاتی ہے تو یہ بھیڑیا ، بھیڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے ۔ وہ ایک لالچی شخص ہے جو مال و زر جمع کرتا ہے اور بندوں کا خون اس طرح پیتا ہے جیسے صحرا کی ریت بارش کے قطروں کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے ۔ وہ ایک چور ہے جو دیوار کی درزوں کے رستے مکان کے اندر داخل ہوتا ہے اور اُس وقت تک نہیں نکلتا جب تک گھر کا گھر تباہ نہ ہو جائے ۔ وہ سنگ دل ڈاکو ہے جو بیواؤں کے درھم اور یتیموں کے پیسے چھین لیتا ہے ۔ وہ عجیب و غریب مخلوق ہے ۔ اس کی چونچ گدھ کی سی ہے ۔ اُس کے پنجے چیتے کے سے ہیں ۔ اس کی نگاہ چیل کی سی ہے اور اس کی پھنکار اژدھے کی سی ہے ۔

”اُس کی کتاب چھین لو ، لبادہ پھاڑ ڈالو ، اُس کی ڈاڑھی نوچ لو اور جو جی میں آئے کرو ۔ پھر اس کے ہاتھ میں نقدی دے دو ۔ وہ تمھیں معاف کر دے گا اور محبت کے ساتھ مسکرائے گا ۔ اُس کے گال پر طمانچہ مارو ، اُس کے چہرے پر تھوکو ، اُس کا گلا گھونٹو پھر اُسے اپنے دسترخوان پر بٹھاؤ وہ سب کچھ بھول جائے گا اور تمھارے اکل و شرب کو سمیٹنے کے لیے اپنا کمر بند اُتار لے گا ۔ اُس کے خدا کو جھٹلاؤ ، اُس کے عقائد کی توہین کرو ، اُس کے ایمان کا مضحکہ اُڑاؤ ، پھر اُس کے پاس شراب کی ایک صراحی یا پھلوں کی ایک ٹوکری بھیج دو وہ تمھیں معاف کر دے گا اور خدا و بندگان خدا کے سامنے تمھیں برکت بخشے گا ۔

”وہ عورت کو دیکھتا ھے اور اس کی طرف منہ موڑ کر بلند آواز سے کہتا ھے: مجھ سے دور ہو اے بابل کی بیٹی! لیکن پھر اپنے دل سے سرگوشی کرتا ھے کہ ازدواجی زندگی تجرد سے افضل ھے ۔ وہ بچوں اور نوجوانوں کو جلوس محبت میں جاتے دیکھتا ھے اور بظاھر یہ کہتا ھے کہ یہ باطلوں کا باطل ھے اور اس آسمان کے نیچے ہر شے باطل ھے ۔ لیکن تنہائی میں آہ بھر کر کہتا ھے کہ خدا ان شریعتوں اور ان تقلیدوں کا ستیاناس کرے جنھوں نے مجھے زندگی کی راحتوں سے دور کر رکھا ھے ۔ اور مجھ پر زندگی کی لذتوں کو حرام کر دیا ھے ۔ وہ لوگوں سے کہتا ھے کہ محاکمہ نہ کرو بلکہ محاکمہ چاھو ۔ لیکن وہ خود سنگ دلی کے ساتھ ان تمام آدمیوں کا محاکمہ کرتا ھے جو اس کے غریبوں کا مضحکہ اڑاتے ھیں اور ان کی روحوں کو دوزخ میں بھیجتا ھے ۔ وہ تم سے باتیں کرتا ھے تو بار بار اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھاتا ھے لیکن اس کا خیال سانپ کی طرح تمھاری جیب میں ہوتا ھے ۔ وہ تمھیں اولاد اور بیٹا کہہ کر پکارتا ھے لیکن وہ شفقت پدری سے بالکل نا آشنا ہوتا ھے ۔ اس کے لب شیر خوار بچے کی طرف دیکھ کر متبسم نہیں ہوتے اور نہ وہ کسی لڑکے کو اپنی گود میں اٹھاتا ھے ۔ وہ تم سے کہتا ھے کہ دنیا داری سے بلند تر رہو کیونکہ ہماری عمریں کہر کی طرح محو ہو جاتی ھیں اور ہمارے دن سایے کی طرح ڈھل جاتے ھیں ۔ لیکن اگر تم غور سے دیکھو گے تو اسے زندگی کا دامن مضبوط پکڑے ہوئے پاؤ گے ۔ وہ عمر کا خواہاں ھے ۔ وہ کل کے گزر جانے پر متاسف ہوتا ھے ۔ دن کے جلد گزر جانے سے خوف کھاتا ھے اور اگلی صبح کا منتظر رہتا ھے ۔ وہ تم سے احسان

چاہتا ہے اور مال و زر کا متمنی ہوتا ہے ۔ اگر تم اسے مال دے دو تو بظاہر تمہیں دعا دے گا اور اگر اسے کچھ نہ دو تو باطن میں تم پر لعنت بھیجے گا ۔ وہ معبد کے اندر تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ فقیروں اور محتاجوں کا خیال رکھو لیکن اس کے مکان کے گرد بھوکے فریاد کرتے ہیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے مفلس ہاتھ پھیلاتے ہیں ۔ وہ نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے ۔ وہ نماز فروخت کرتا ہے جو نہ خریدے وہ اللہ اور اس کے نبیوں کا کافر ہوتا ہے اور بہشت سے محروم رہتا ہے ۔

" اے عیسائیو! یہ ہے وہ مخلوق جو تمہیں خوف زدہ کرتی ہے ۔ اے مسکینو ! یہ ہے راہب جو تمہارا خون چوستا ہے ۔ یہی وہ پادری ہے جس کے دائیں طرف صلیب کا نشان ہے اور بائیں طرف وہ تمہارے دلوں کو قبضہ میں کرتا ہے ۔ یہی وہ اسقف ہے جسے تم اپنا خادم بناتے ہو لیکن وہ تمہارا آقا بن جاتا ہے ۔ تم اسے مقدس پادری سمجھتے ہو لیکن وہ شیطان ہے ۔ یہی وہ سایہ ہے جو تمہاری روحوں پر سن بلوغ سے لے کر موت تک مسلط رہتا ہے ۔ یہی وہ شخص ہے جو آج رات میرا محاکمہ کرنے اور مجھے ذلیل کرنے آیا ہے کیونکہ میری روح نے اس مسیح ناصری کے دشمنوں سے سرکشی کی جو تم سے محبت رکھتا ہے اور تمہاری خاطر صلیب پر لٹک گیا ۔"

نوجوان کا چہرہ چمک اٹھا کیونکہ اس نے جان لیا کہ سامعین کے سینوں میں ان کی روح بیدار ہو رہی ہے ۔ وہ اپنے کلام کی تاثیر حاضرین کے چہروں پر منقوش دیکھ رہا تھا ۔ اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی اور اس نے کہا :
" اے بھائیو ! تم نے سنا ہوگا کہ شیخ عباس کو امیر امین

شہابی نے اس گاؤں کا سردار مقرر کیا اور امین شہابی کو سلطان نے اس کوہستان کا امیر بنایا ۔ لیکن کیا تم اس قوت سے بھی واقف ہو جس نے سلطان کو اس سر زمین کا بادشاہ بنایا تمہیں وہ قوت ایک جسم کی صورت میں نظر نہیں آتی اور نہ تم اسے باتیں کرتے سن سکتے ہو۔ لیکن تمہارے دل کی گہرائیاں اس کے وجود کی قائل ہیں ۔ تم نماز میں اس کے سامنے سربہ سجود ہوتے ہو اور اسے آسمانی باپ کہہ کر پکارتے ہو — ہاں ! وہی آسمانی باپ جو بادشاہوں اور حکمرانوں کو پیدا کرتا ہے اور جو ہر شے پر قادر ہے لیکن کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ تمہارا وہ باپ جو تم سے محبت رکھتا ہے اور تمہیں نبیوں کے وسیلے سے راہ حق دکھاتا ہے یہ بھی چاہتا ہے کہ تم مظلوم و رذیل بنے رہو ؟ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جو بادلوں سے مینہ برساتا ہے بیجوں سے کھیتی پیدا اور پھولوں سے پھل پیدا کرتا ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تم بھوکوں مرو اور تم میں سے ایک آدمی زندگی کی لذتوں سے لطف اندوز ہو ؟ کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ سرمدی روح جو تمہارے دل میں بیوی کی محبت اور اولاد کی شفقت پیدا کرتی ہے وہ یہ بھی چاہتی ہے کہ تم میں سے ایک آدمی تمہارا آقا بن کر تم پر ظلم کرے اور تمہیں اپنا فرماں بردار بنا لے ۔ کیا تم یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ وہ قوانین ازلی جو تمہیں نور حیات بخشتے ہیں ایسے سامان بھی مہیا کرتے ہیں جو تم پر موت کی تاریکی طاری کر دیں ؟ کیا تم یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ قدرت نے تمہارے جسموں کو اس لیے طاقت بخشی ہے کہ تم ایک ضعیف آدمی کے آگے جھکو؟

”تم ایسی باتوں پر اعتقاد نہیں رکھ سکتے جن کے کرنے

سے تم عدل خداوندی کے منکر ہو جاؤ اور خدا کے نور کو جھٹلاؤ جو لوگوں کو روشنی دیتا ہے ۔ لہذا کون سی چیز تمھیں مجبور کرتی ہے کہ تم ایک شریر انسان کی مدد کرو ؟ تم اُس خدا کی مشیت سے جس نے تمھیں آزاد بنا کر اس دنیا میں بھیجا ، کیوں ڈرتے ہو اور ان لوگوں کی غلامی کیوں قبول کرتے ہو جو اپنے قانون سے سرکشی کرتے ہیں ؟ تم خدائے قوی کی طرف آنکھیں اُٹھا کر کیوں دیکھتے ہو اور اُسے اپنا آسمانی باپ کیوں کہتے ہو جب کہ تم ایک ضعیف انسان کے آگے گردن جھکا کر اُسے اپنا آقا مانتے ہو ؟ اللہ کے بیٹے ہو کر یہ کس طرح قبول کرتے ہو کہ بشر کی غلامی اختیار کرو ؟ مسیح نے تمھیں بھائی کہہ کر پکارا ، پھر تم شیخ عباس کے خادم کیوں کہلاتے ہو ؟ مسیح نے تمھاری روحوں کو آزاد کیا اور حق کا راستہ دکھایا ، پھر تم امیر کے غلام کیوں بنتے ہو ۔ مسیح نے تمھیں سر بلند کیا ، پھر تم زمین پر کیوں گرتے ہو ؟ مسیح نے تمہارے دلوں میں نور پیدا کیا ، پھر تم تاریکی میں کیوں پھنستے ہو ؟ خدا نے تمھاری روحوں کو اس جہان میں شعلوں کی طرح منور کیا تاکہ اس کی روشنی میں تم روز و شب کے اسرار مخفی سے خبردار ہوتے رہو ۔ پھر تم انھیں مٹی میں کیوں لتھیڑتے ہو ؟ خدا نے تمھارے دلوں کو پر بخشے ہیں تاکہ ان کے ذریعے تم محبت و آزادی کی فضا میں پرواز کرو ، پھر تم انھیں اپنے ہاتھوں سے کیوں اکھیڑ کر اپنے آپ کو حشرات الارض کی طرح زمین پر گراتے ہو ؟ خدا نے تمھارے دلوں میں سعادت کا بیج بویا ہے ، پھر تم کیوں انھیں پتھروں پر پھینکتے ہو کہ چیلیں انھیں کھا جائیں ؟ خدا نے تمھیں بیٹوں

اور بیٹیوں کی محبت ارزانی کی تاکہ تم انھیں حق کا راستہ دکھاؤ اور ان کے دلوں کو فطرت کے اسرار سے آگاہ کرو اور زندگی کی مسرتیں ان کے لیے ترکے میں چھوڑ جاؤ، پھر تم انھیں اپنی سر زمین میں غریب اور اپنے آسمان کے نیچے تباہ حال کیوں بناتے ہو ؟ وہ باپ جو اپنے بیٹے کے لیے ترکے میں آزادی کی بجائے غلامی چھوڑ جائے، کیا ایسے باپ کی طرح نہیں جس سے بیٹا روٹی مانگے اور وہ اُسے پتھر دے ؟

" کیا تم نے کھیتوں میں چڑیوں کو نہیں دیکھا جو آزادی کے ساتھ اُڑتی پھرتی ہیں ؟ پھر تم اپنے بچوں کو قید و سلاسل کی گرفت سے کیوں مانوس کرتے ہو ؟ کیا تم وادی کے پھولوں کو نہیں دیکھتے کہ سورج کس طرح ان کے بیجوں کو حرارت پہنچاتا ہے، پھر تم اپنے بچوں کو سرد تاریکی میں کیوں دھکیلتے ہو ؟"

خلیل قدرے خاموش ہو گیا، گویا اس کے افکار و خیالات چھا گئے ہیں اور اب ان کو لفظوں کا جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں۔ پھر اُس نے کہا: "آج رات تم نے جو باتیں مجھ سے سنی ہیں، انھیں کے باعث میں راہب خانہ سے نکالا گیا۔ اور جو حقیقت اب تمھارے دلوں میں موجیں مار رہی ہے اسی نے میری مشکیں کسوائیں اور مجھے شیخ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ اب اگر آپ کے گاؤں کا شیخ اور آپ کے گرجا کا پادری مجھے دار پر کھنچوا دیں تو میں فرحت محسوس کروں گا۔"

خلیل یہ الفاظ کہہ رہا تھا اور اُس کی بلند آواز ایسے جادو اثر نسخہ کی مانند تھی جو حاضرین کے دلوں میں جنبش پیدا کر رہا تھا اور جس سے ان کی آنکھوں سے پردے اس

طرح ھٹ گئے تھے جیسے ایک اندھا آدمی دفعتاً دیکھنے لگے ۔ عورتوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے لیکن شیخ عباس اور پادری الیاس جوش غضب سے کانپ رہے تھے اور اس طرح پہلو بدل رہے تھے گویا کانٹوں کے بستر پر لوٹ رہے ھیں ۔ ان میں سے ھر ایک یہ چاھتا تھا کہ خلیل کو خاموش کرا دے ۔ لیکن نہیں کر سکتا تھا کیونکہ خلیل کا انداز خطاب عزم کے لحاظ سے آندھی کی طرح تھا اور نرمی کے لحاظ سے نسیم کی مانند ۔

جب خلیل نے اپنی تقریر ختم کی اور ذرا پیچھے ھٹ کر راحیل اور مریم کے پاس کھڑا ھوگیا تو ایسی گہری خاموشی طاری ھوگئی گویا اس کی روح نے اس وسیع مکان کے حاضرین کی آنکھوں کا احاطہ کر لیا ھے اور شیخ اور پادری سے ان کی قوت فکر و ارادہ چھین لی ھے ۔

شیخ عباس اُٹھ کھڑا ھؤا ۔ اُس کا چہرہ متغیر اور رنگ زرد ھو گیا تھا ۔ اُس نے تیوری چڑھا کر کرخت آواز میں حاضرین سے کہا : ”اے کتو ! تمھیں کیا ھو گیا ھے ؟ کیا تم سن نہیں رھے ؟ کیا تمہارے جسم شل ھو گئے ھیں کہ تم اس کافر کو پکڑنے کے قابل نہیں رھے ؟ کیا اس شیطان کی روح تمہاری روحوں پر چھا گئی ھے اور کیا اس نے اپنے جہنمی جادو سے تمھارے بازوؤں کو کمزور کر دیا ھے کہ اس کو سزا دینے کے ناقابل ھو گئے ھو ؟“

یہ کہہ کر شیخ نے تلوار کھینچ لی اور نوجوان کی طرف دوڑا تاکہ اس پر وار کرے لیکن حاضرین میں سے ایک طاقتور

شخص بڑھا اور بولا : ” اے سردار ! اپنی تلوار کو نیام میں ڈالو کیونکہ تلوار کا بدلہ تلوار سے دیا جائے گا ۔“

شیخ کانپنے لگا ۔ اُس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی ۔ اُس نے چیختے ہوئے کہا: ” کیا ایک کمزور خادم اپنے آقائے ولی نعمت کی مزاحمت کرسکتا ہے ؟“

اس شخص نے جواب دیا : ” ایمان دار خادم شرارت و ظلم میں اپنے آقا کا مددگار نہیں ہوتا ۔ اس نوجوان نے حق کے سوا کچھ نہیں کہا اور سننے والوں کے سامنے اعلان حقیقت کے سوا کچھ نہیں کیا ۔“

ایک اور آدمی بڑھا اور بولا: ” اس نوجوان نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس پر وہ محاکمہ اور سزا کا مستوجب ہو ۔“

ایک عورت کی آواز بلند ہوئی : ” اس شخص نے نہ دین کی توہین کی نہ خدا کے نام کو جھٹلایا ، پھر اسے کافر کیوں گردانتے ہو ؟“

راحیل کو بھی بولنے کا حوصلہ ہوگیا ۔ وہ آگے بڑھی اور بولی: ” اس نوجوان نے اپنی باتوں میں ہماری ترجمانی کی ہے اور ہماری مظلومیوں کا حال بیان کیا ہے ۔ اس لیے جو شخص شرارت کرے گا وہ سب کا دشمن ہوگا ۔“

شیخ نے دانت پیستے ہوئے کہا : ” تو بھی سرکشی کرتی ہے ۔ اے بیوہ ! کیا بھول گئی کہ آج سے پانچ سال پہلے جب تیرے خاند نے مجھ سے سرکشی کی تھی تو اُس کا کیا حشر ہؤا تھا ؟“

راحیل یہ سن کر غضب میں آ گئی اور اس راز کو سن کر درد کے مارے کانپنے لگی ۔ پھر اس نے مجمع کی طرف منہ کرکے فریاد کی : ”سن رہے ہو ؟ یہ قاتل غضب کے لہجے میں اپنے جرم کا اقبال کر رہا ہے ۔ کیا لوگ یہ نہیں کہتے تھے کہ میرا خاوند کھیت میں مقتول پایا گیا ؟ کیا تم یہ نہیں کہتے تھے کہ قاتل کا پتہ نہیں لگ سکا کیونکہ وہ ان دیواروں کے پیچھے چھپا ہؤا تھا؟ کیاتم میرے خاوند کی شجاعت کا ذکر نہیں کیا کرتے تھے ؟ لیکن شیخ عباس کی زبان سے سن لیا کہ قاتل کون تھا ؟ دیکھو خدا نے قاتل ظاہر کر دیا ہے جو تمہارا ہمسایہ اور تمہارا بھائی ہے اور جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے ۔ اس کی طرف دیکھو ! جرم اس کے زرد چہرے پر نمایاں حروف میں لکھا ہؤا ہے ۔ دیکھو! وہ اپنے چہرے کو کس طرح اپنے ہاتھوں سے چھپا رہا ہے تاکہ تمہاری آنکھیں اسے دیکھ نہ سکیں ۔ دیکھو ! یہ قوی شیخ کس طرح پتلی شاخ کی طرح کانپ رہا ہے ۔ دیکھو ! یہ بہت بڑا جابر اب تمہارے سامنے خطا وار غلام کی طرح کھڑا ہے ۔ خدا نے اچانک ہمیں وہ قاتل دکھا دیا ہے جس سے تم ڈرتے تھے اور ہم پر وہ شریر ہستی آشکار کردی ہے جس نے مجھے بیوہ اور میری بیٹی کو یتیم بنایا ۔“

راحیل کی فریاد کے الفاظ شیخ عباس کے سر پر بجلی کی طرح گرج رہے تھے اور مردوں کا شور اور عورتوں کی آہیں اس کے دماغ کے گرد آگ کے شعلوں کی طرح احاطہ کیے ہوئے تھیں ۔ پادری اٹھا تاکہ شیخ کو سہارا دے کر اسے مسند

پر بٹھائے۔ یہ کام کرنے کے بعد کانپتی ہوئی آواز میں خادموں سے مخاطب ہؤا :—

" اس عورت کو گرفتار کر لو جو تمھارے آقا پر اتہام لگا رہی ہے اور اسے اس کافر نوجوان کے ساتھ زندان میں ڈال دو۔ جو شخص تم پر اعتراض کرے گا وہ بھی جرم میں شریک سمجھا جائے گا اور ان کی طرح وہ بھی مقدس گرجا سے محروم کر دیا جائے گا۔"

لیکن خادم اپنی جگہ سے نہ ہلے اور اُنھوں نے پادری کے حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ خاموش کھڑے خلیل، راحیل اور مریم کی طرف دیکھتے رہے۔ یہ دونوں عورتیں خلیل کے دائیں بائیں اس طرح کھڑی تھیں گویا یہ دو پر ہیں، جنھیں وہ کھولے ہوئے پرواز کرنا چاہتا ہے اور ان کے ساتھ بادلوں تک جا پہنچے گا۔

پادری کی داڑھی رقص کر رہی تھی۔ اُس نے کہا : " کیا تم اپنے آقا کا کفران نعمت کرتے ہو اور اُس سے اس مجرم کافر نوجوان اور اس جھوٹی عورت کے لیے بغاوت کرتے ہو۔"

خادموں کے جمعدار نے جواب دیا : " ہم نے شیخ عباس کی خدمت لقمۂ نان کے لیے کی ہے لیکن ہم اس کے غلام نہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنا لبادہ اور ٹوپی اُتار کر شیخ عباس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا : " میں اس حقیر لباس کو اپنے جسم پر پہننے سے باز آیا اور میں اب اس خونی کے مکان میں رہنے کا عذاب نہیں سہ سکتا۔"

دوسرے خادموں نے بھی اس کی تقلید کی اور ان کے

چہروں پر حریت و آزادی کا نور چمک اٹھا۔

الیاس پادری نے جب یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ باطل اقتدار کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ چنانچہ وہ مکان سے اس گھڑی کو کوستا ہؤا باہر نکل گیا جب کہ خلیل اس گاؤں میں آیا تھا۔

اس لمحہ حاضرین میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے خلیل کی مشکیں کھول دیں اور شیخ عباس کی طرف مخاطب ہو کر جو کرسی پر پتھر کی طرح خاموش بیٹھا تھا بولا: "یہ نوجوان جسے تم نے مشکیں کسوا کر اس لیے بلایا تھا کہ تم ایک گنہ گار مجرم کی طرح اس کا محاکمہ کرو اس نے ہمارے تاریک دلوں کو روشن کر دیا ہے۔ اور ہمیں حق و معرفت کی راہ دکھا دی ہے۔ اور اس بیوہ نے جسے تم جھوٹی قرار دیتے ہو، ہم پر ایک ایسا راز منکشف کر دیا ہے جو پانچ سال سے پوشیدہ تھا۔ ہم بھاگے ہوئے اس مکان میں ایک بے گناہ کا انصاف اور ایک عادل کی سزا دیکھنے آئے تھے، لیکن یہاں آ کر ہماری آنکھیں کھل گئیں اور قدرت نے ہم پر تمہارا مخفی جرم اور تمہارا پوشیدہ ظلم ظاہر کر دیا۔ ہم تمہیں تمہارے حال پر چھوڑتے ہیں اور تمہارا محاکمہ نہیں کرتے۔ ہم اس بات کی آرزو کرتے ہوئے تم سے دور ہوتے ہیں کہ قدرت تم سے انتقام لے۔"

دفعتاً مردوں اور عورتوں کی یہ آواز وسیع مکان میں گونج اٹھی: "آؤ! اس مکان سے بھاگ چلیں جس کی دیواروں سے گناہ اور سیاہ کاری کی پرچھائیاں چمٹی ہوئی ہیں۔ چلو اپنے مکانوں

کو چلیں ۔" ایک اور آواز آئی : " چلو اس نوجوان کے ساتھ راحیل کے مکان تک چلیں اور وہاں اس کی شیریں کلامی اور حق گوئی کا لطف اٹھائیں ۔" ایک نے کہا: " ہمیں وہی کرنا چاہیے جو خلیل ہمیں بتائے ۔ کیونکہ وہ ہماری حاجتوں کو جانتا اور ہمارے مطالب کو سمجھتا ہے ۔" ایک شخص بولا: "عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کل ہم امیر امین شہابی کے پاس جائیں اور اسے شیخ عباس کے جرائم سے آگاہ کر کے انصاف چاہیں ۔" ایک پکارا : " ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم امیر امین سے درخواست کریں کہ وہ خلیل کو شیخ عباس کا جانشین مقرر کرے ۔" ایک نے کہا : " ہمیں چاہیے کہ بڑے پادری سے الیاس پادری کی شکایت کریں اور اسے بتائیں کہ الیاس نے شیخ کے گناہوں میں کس طرح اس کا ساتھ دیا ۔"

ہر طرف سے یہی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور شیخ عباس کے سینے پر خوف و حزن کی گھٹا چھائی ہوئی تھی ۔ خلیل نے اپنا ہاتھ اٹھا کر حاضرین کو خاموش کرایا اور کہا :—

" بھائیو سنو ! جلدی نہ کرو ۔ میں محبت کے نام پر تم سے یہ چاہتا ہوں کہ امیر امین کے پاس نہ جاؤ ، کیونکہ وہ انصاف نہیں کرے گا ۔ اور نہ بڑے پادری سے الیاس کی شکایت کرو اور نہ اس بات کی خواہش کرو کہ میں اس گاؤں کا حاکم بنوں کیونکہ امانت دار خادم کبھی نہیں چاہتا کہ وہ لمحہ بھر کے لیے بھی شریر سردار بنے ۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو مجھے اجازت دو کہ میں تمھارے درمیان رہ کر زندگی بسر کروں ۔ تمھارے رنج و راحت کا شریک بنوں اور تمھیں کھیتوں کے کام اور گھر کی راحتوں کا راستہ دکھاؤں ۔ اب

چونکہ درخت کی جڑ کٹ چکی ہے اس لیے آؤ شیخ عباس کو اس کے ضمیر کی عدالت اور اس خدا کے عرش کے سامنے چھوڑ کر چلے جائیں جو ابرار و اشرار سب کو آفتاب کی روشنی عطا کرتا ہے ۔"

یہ کہہ کر وہ مکان سے نکلا اور سب لوگوں نے اس کی متابعت کی ۔ شیخ عباس وہاں اکیلا اس طرح رہ گیا جیسے منہدم برج یا جیسے مغلوب قائد ۔ جب یہ مجمع گرجا کے قریب پہنچا تو شفق کے پیچھے سے چاند ظاہر ہو رہا تھا اور اس کی نقرئی شعاعیں آسمان پر پھیل رہی تھیں ۔ خلیل نے عورتوں اور مردوں کی طرف مڑ کر دیکھا جو اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے بھیڑوں کا ریوڑ گڈریے کی طرف دیکھتا ہے ۔ اس کی روح کانپ اٹھی کیونکہ ان مسکین دیہاتیوں کے چہروں پر عہد تاریک کی مصیبتیں برس رہی تھیں اور ان کے حقیر جھونپڑوں سے جو برف سے ڈھنپے ہوئے تھے ذلت و خواری کے آثار نمایاں تھے ۔ خلیل وہاں ایک نبی کی طرح ٹھہر گیا اور اس کے کان گزشتہ نسلوں کی پکار سننے لگے ، اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں غم کے آثار نمودار ہو گئے ۔ اسے ایسا معلوم ہؤا کہ وہ مشرق کی ان تمام ملتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے جن پر ان وادیوں میں غلامی کی زنجیروں نے عرصۂ حیات تنگ کر دیا ۔ اس نے موجوں کے شور کی سی آواز میں کہا :—

"اے حریت ! ہم اپنے دل کی گہرائیوں سے تجھے پکارتے ہیں ، اس لیے تو اس تاریک ماحول میں ہماری آواز سن ۔ ہم تیری طرف اپنا ہاتھ اٹھاتے ہیں ، اس لیے تو ہماری طرف دیکھ ۔

ہم اس برف پر تیرے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں ، تو ہم پر رحم کر۔ ہم تیرے مقدس عرش کے سامنے کھڑے ہیں۔ ہمارے جسم کے کپڑے ہمارے آبا و اجداد کے خون سے آلودہ ہیں۔ ہمارے شعور اس مٹی کے تلے دبے ہیں جس میں ہمارے بزرگوں کی ہڈیاں ملی ہوئی ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں تلواریں ہیں جنھوں نے ان کے کلیجے کو پارہ پارہ کیا۔ ہم وہ برچھیاں اٹھائے ہوئے ہیں جنھوں نے ان کے سینے چھلنی کیے۔ ہم وہ زنجیریں گھسیٹ رہے ہیں جنھوں نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے۔ ہم وہ فریاد کر رہے ہیں جس نے ان کے گلے کو زخمی کیا۔ ہم وہ نوحہ خوانی کر رہے ہیں جس نے ان کے قید خانوں کی تاریکیوں کو بھر دیا۔ ہم وہ دعا کرتے ہیں جو ان کے دکھی دلوں سے نکلی۔

"اے حریت ! ہم پر رحم کر اور ہماری فریاد سن۔ دریائے نیل کے منبع سے لے کر دریائے فرات کے دھانے تک کے لوگوں کی فریادیں اور دردناک چیخیں تجھ تک پہنچ رہی ہیں۔ اور جزیرہ سے لے کر لبنان تک کے لوگ تیری طرف اس طرح کانپتے ہوئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں گویا وہ نزع کے عالم میں ہیں۔ اور خلیج فارس کے ساحل سے صحرا کی پہنائی تک کے انسانوں کی غم آلود آنکھیں تیری طرف اٹھ رہی ہیں۔

"اے حریت ! ہماری طرف توجہ کر۔ ہماری طرف دیکھ۔ ہم جھونپڑوں کے کونوں میں جو فقر و ناداری کی تاریکیوں کے سایے میں کھڑے ہیں ، تیرے سامنے اپنے سینے کھولتے ہیں۔ ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر جو جہل و نادانی کی ظلمت

میں کھڑے ہوئے ہیں ، اپنا دل تیرے سامنے رکھتے ہیں اور ان مکانات سے جو جور و استبداد کے غبار میں چھپے ہوئے ہیں اپنی روحوں کو تجھ تک پہنچاتے ہیں ۔ دیکھ اے حریت! ہم پر رحم کر ۔ ہم تجھے مکتبوں اور مدرسوں میں ڈھونڈتے ہیں لیکن نہیں پاتے ۔ گرجاؤں اور معبدوں میں تیرا نشان نہیں ملتا ۔ محاکموں اور عدالتوں میں تو مفقود ہے ۔ ہم پر مہربانی کر اے حریت ! اور ہمیں نجات دلا ۔

" ہماری زندگی کی تنگ راہوں میں تاجر لوگ ہمارے شب و روز کو مغربی ڈاکوؤں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں ۔

" ہمارے کھیتوں میں کسان اپنے بازوؤں سے ہل چلاتا ہے ۔ اپنی حیات قلبی کی تخم ریزی کرتا ہے اور اسے اپنے خون سے سینچتا ہے لیکن خس و خار کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ اے حریت ! بول اور جواب دے ۔

" ہمیں پھولوں اور غنچوں کی بجائے خس و خار ملتے ہیں ۔ اے حریت ! ہمیں بچا ۔ ہماری مدد کر ۔

" ابتدا ہی سے ہماری روحوں پر استبداد کی تاریکیاں مسلط ہیں اور ہم سوچتے ہیں کہ صبح کب ہوگی ؟ ہمارے جسم ایک قید خانے سے نکل کر دوسرے قید خانے میں چلے جاتے ہیں اور نسلیں ہمارا تمسخر آڑاتی ہیں ۔ یہ تمسخر ہمیں کہاں تک لے جائے گا ۔

" ہماری گردنیں ایک غلامی سے دوسری غلامی کے پھندے میں پھنس جاتی ہیں اور روئے زمین کی قومیں دور ہی سے ہماری طرف دیکھ کر ہمارا مضحکہ آڑاتی ہیں ۔ ہماری قیود نہ خود فنا

ہوتی ہیں ، نہ ہم ان پھندوں کو کاٹ سکتے ہیں ۔ آخر ہم کیوں کر زندہ ہیں ؟

" مصریوں کی غلامی سے ملکہ سبا تک ، فارس کی قساوت سے افریقیوں کی عبودیت تک ، استبداد روم سے مغلوں کے مظالم تک ، افرنگیوں کی حرص و آز سے ہماری اس حالت تک ۔ آخر ہماری سزائیں ہمیں کہاں تک پہنچا دیں گی ؟

" فرعون کی گرفت سے بخت نصر کے پنجہ تک ، اسکندر کے بازوؤں سے ہیرودس کی تلواروں تک ، نیرو کے شاگردوں سے شیطان کے نائبوں تک ہم کن کن ہاتھوں میں رہے اور اب کہاں جا رہے ہیں ؟ ہمیں موت کب آئے گی تاکہ ہمیں عدم کا سکون نصیب ہو ؟

" لوگوں نے ہمارے بازوؤں کی قوت سے معبد اور گرجے تعمیر کیے اور ہماری پیٹھ پر مٹی اور پتھر ڈھو کر قصر اور برج بنائے ۔ ہمارے جسموں کی طاقت سے مینار تعمیر کیے ۔ ہم نے محل باڑیاں تعمیر کیں لیکن ہمارے رہنے کے لیے جھونپڑوں اور غاروں کے سوا کچھ نہیں ۔ ہم لوگوں کے گوداموں اور خزانوں کو پر کرتے ہیں لیکن ہمارے کھانے کے لیے لہسن اور ساگ پات کے سوا کچھ نہیں ۔ ہم ریشم اور صوف بنتے ہیں لیکن ہمارے پہننے کے لیے ٹاٹ اور موٹے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں ۔

" انھوں نے حیلوں اور بہانوں سے ہمارے خاندانوں میں تفریق پیدا کردی ۔ ہمیں جتھوں میں بانٹ دیا اور پھر ہمارے درمیان بغض و عناد پیدا کر دیا ۔

"انھوں نے اپنے تخت و تاج کی حفاظت اور اپنے دل کی طمانیت کے لیے دروزی کو عربی کے خلاف مسلح کر دیا، شیعی کو سنی کے خلاف بھکایا، کردی کو بدوی کے خلاف اکسایا، احمدی کو مسیحی کے خلاف بھڑکایا۔

"سن، اے حریت! ہماری فریاد پر کان دھر۔ اے ساکنان ارض کی ماں، توجہ کر اور ہماری طرف دیکھ! بول، ہم ہی میں سے کسی ایک کی زبان سے بول۔ کیونکہ ایک ہی شرارہ سوکھی گھاس کے انبار کو مشتعل کر دیتا ہے۔ اپنے پروں کی جنبش سے ہمارے کسی آدمی کی روح کو زندہ کر دے۔ کیونکہ ایک ہی بادل بجلی چمکا کر لحظہ بھر میں وادیوں اور کوھساروں کو منور کر دیتا ہے۔ ہمارے کالے بادلوں کو اپنے عزم سے محو کر صاعقہ کی طرح اتر اور منجنیق کی طرح بلند تختوں کو منہدم کر جو جزیہ اور رشوت کے ملمع سے چمک رہے ہیں اور جن پر خون اور آنسوؤں کا روغن چڑھا ہوا ہے۔

"اے رومہ کی بہن! ہمیں بچا۔ اے موسیٰ کی رفیقہ! ہمیں نجات دلا۔ اے محمد کی حبیبہ! ہمیں معاف کر دے۔ اے یسوع کی دلہن! ہمیں علم بخش، ہمارے دل کو قوت بخش تاکہ اپنے دشمنوں کے بازوؤں سے محفوظ رہ سکیں۔"

خلیل آسمان سے التجا کر رہا تھا اور کسانوں کی آنکھیں اس کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس کی آواز کے نغمہ سے متاثر ہو رہے تھے اور ان کا دل دھڑک رہا تھا۔ جب خلیل کی مناجات ختم ہوئی تو اس نے کسانوں کی طرف دیکھ کر کہا:—

”آج رات ہم شیخ عباس کے گھر پر اس لیے جمع ہوئے تھے کہ صبح کے نور کو دیکھیں ۔ ہم نے اس سرد فضا کے مظالم سہے تاکہ ہمیں حقیقت نظر آئے۔ اب چلو اور اپنے اپنے بستروں میں جا کر سو جاؤ ۔“

یہ کہہ کر خلیل راحیل اور مریم کے پیچھے پیچھے ان کے مکان کو چلا گیا ۔ مجمع منتشر ہوگیا اور ہر شخص اپنے اپنے گھر کو روانہ ہؤا ۔ ہر شخص اس پر غور کر رہا تھا جو اس نے سنا اور دیکھا ۔ وہ اپنے اندر ایک نئی زندگی محسوس کرتا تھا ۔

ایک گھنٹہ گزر گیا اور جھونپڑوں کے چراغ گل ہوگئے ۔ گاؤں پر ہر طرف سکون چھا گیا اور کسانوں کی روحیں خوابوں کی دنیا میں جا پہنچیں ۔ شیخ عباس کی رات پہاڑ ہوگئی — دو پر عذاب شب !

دو مہینے گزر گئے ۔ خلیل دیہاتیوں کے دلوں کو اپنی روح کے اسرار سے باخبر اور ان کے حقوق و مواجب کے غوامض سے مطلع کرتا رہا ۔ وہ ان کے سامنے حریص راہبوں کی زندگی کا نقشہ کھینچتا اور انہیں حاکموں کی خود سری کی باتیں سناتا رہتا ۔

دیہاتی اس کی باتیں سن کر فرحت محسوس کرتے اور خوشی خوشی اپنی کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے ۔ لیکن شیخ عباس کو کچھ ایسا عارضہ لاحق ہو گیا کہ گویا وہ پاگل ہو گیا

ہے - وہ اپنے مکان میں اس طرح گھومتا پھرتا تھا جیسے پنجرے کے اندر چیتا - وہ اپنے نوکروں کو بلند آواز سے بلاتا تھا لیکن دیواروں کے سوا کوئی جواب نہ دیتا - وہ چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو آواز دیتا لیکن اس کی مدد کے لیے اس کی مسکین زوجہ کے سوا کوئی نہ آتا تھا -

جب آسمان نے فصل ربیع کے آنے کی خبر دی اور بارشوں کے ختم ہونے کے ساتھ ھی شیخ عباس کی زندگی کے دن بھی پورے ہو گئے تو وہ نزع کے عالم میں گرفتار ہو کر بری حالت میں جاں بحق ھو گیا اور اس کی روح اس کے اعمال کو ساتھ لے کر اس عرش کے سامنے عریاں جا کھڑی ھوئی جسے ھم نے دیکھا نہیں البتہ اس کے وجود کو جانتے ھیں -

کسانوں میں اس کی موت کی وجہ پر اختلاف رائے تھا - بعض کہتے تھے کہ اس کا دماغ چل گیا اور وہ پاگل ھو گیا - بعض کا خیال تھا کہ اس نے زندگی کی مایوسیوں سے تنگ آ کر زھر کھا لیا اور خود کشی کرلی - لیکن جو عورتیں اس کی عورت کے پاس تعزیت کے لیے جاتی تھیں وہ واپس آ کر اپنے خاوندوں کو بتاتی تھیں کہ شیخ خوف کے مارے مر گیا ھے کیونکہ راحیل کا مرحوم خاوند سمعان آدھی رات کے وقت خون میں لتھڑے ھوئے لباس میں ملبوس اس کے پاس آتا تھا اور اسے جبراً اس مقام پر لے جاتا تھا جہاں وہ پانچ سال سے پڑا ھؤا تھا -

موسم بہار نے گاؤں کے باشندوں کے سامنے اس مخفی محبت کے اسرار کا اعلان کر دیا جو خلیل کی روح اور مریم بنت

راحیل کے درمیان موجود تھی ۔ ان کے چہرے فرحت سے چمک اٹھے اور شادمانی سے ان کے دل رقص کرنے لگے ۔ وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ وہ نوجوان ان کے درمیان سے چلا جائے جس نے ان کے دلوں کو روشنی بخشی ۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے اور خوشی کے عالم میں رقص کرتے تھے کیونکہ نوجوان ان کا قریبی ہمسایہ بن گیا اور وہ ہر شخص کا محبوب تھا ۔

جب فصل کی کٹائی کے دن آئے تو کسانوں نے کھیتوں میں جا کر غلہ جمع کیا ۔ چونکہ اب شیخ عباس موجود نہ تھا جو ان کے غلہ کو غصب کر کے اپنے گودام بھر لے اس لیے کسانوں نے اپنے کوٹھے گندم ، جوار ، خمر اور زیتون سے بھر لیے ۔

خلیل انھیں محنت و مشقت اور خوشی و شادمانی کا سبق دیتا اور ان کے غلہ جمع کرنے ، انگوروں کا رس نکالنے اور محفوظ کرنے میں ان کی مدد کرتا ۔ وہ اپنے میں اور ان میں کوئی امتیاز روا نہ رکھتا تھا ۔

اس زمانے سے لے کر آج تک اس گاؤں کا ہر شخص خوشی کے ساتھ کھیتی باڑی اور مسرت کے ساتھ باغوں کے پھل جمع کرتا ہے جو اس کی محنتوں کا ثمر ہیں ۔ زمین کا مالک وہی ہے جو اس میں کاشت کرتا ہے اور انگور اس کی قسمت میں ہیں جو انھیں بوتا اور ان کی پرورش کرتا ہے ۔

آج اس واقعہ پر نصف صدی گزر چکی ہے ۔ جب کوئی مسافر

اس راستے سے گزرتا ہے تو اس گاؤں کی آسودہ حالی دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے جو وادی کے دامن میں عروس کی طرح سجا ہؤا نظر آتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ جھونپڑے خوبصورت مکانات میں تبدیل ہو چکے ہیں اور ان کے ارد گرد ہرے بھرے کھیت اور نزہت آفریں باغ عجب بہار دکھاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص شیخ عباس کی تاریخ دریافت کرے تو رہنما اسے ایک سنگ شکستہ کے پاس لے جاتا ہے جس کے ارد گرد کی دیواریں گر چکی ہیں اور کہتا ہے: ”شیخ عباس کا قصر یہ ہے اور یہی اس کی تاریخ ہے۔“ اور اگر وہ پوچھے کہ خلیل کی تاریخ کیا ہے تو رہنما اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے کہ ہمارا خلیل صالح وہاں رہتا ہے لیکن اس کی تاریخ حیات ہمارے اسلاف نے شعاعی حروف میں ہمارے دلوں کے صفحات پر لکھ رکھی ہے جسے روز و شب کی رفتار محو نہیں کر سکتی۔

حجلۂ عروسی

دولہا دلہن معبد سے نکلے ۔ پیچھے پیچھے مسرور و شادان تہنیت گزار تھے اور آگے آگے شمعیں اور فانوس ۔ اردگرد نوجوان شادمانی کی تانیں اڑا رہے تھے اور دوشیزائیں خوشی کے راگ الاپ رہی تھیں ۔

برات دولہا کے مکان پر پہنچی جو قیمتی قالینوں اور زرق برق سامان سے آراستہ اور خوشبوؤں سے معطر تھا ۔ دولہا دلہن ایک اونچے تخت پر بیٹھ گئے اور مہمان ریشمی صوفوں اور مخملی کرسیوں پر ۔ یہاں تک کہ تمام وسیع ہال انسانوں سے پُر ہو گیا ۔

نوکر شراب کی صراحیاں لے آئے اور دور چلنے لگا ۔ ساغروں کی جھنکار اور پر مسرت آوازیں عالم کیف پیدا کرنے لگیں ۔ اس کے بعد گانے والے آ گئے اور اپنی سحر آفریں موسیقی سے حاضرین کو مسحور کرنے لگے ۔ ان کے میٹھے سروں اور بربط کی رسیلی آواز سے سینوں میں نشاط کی لہریں دوڑنے لگیں ۔ طبلے کی تھاپ اور سامعین کی داد الگ بہار دکھانے لگی ۔

اس کے بعد ناچنے والیاں اٹھیں اور اپنے رقص و غنا سے اہل محفل کو مست کرنے لگیں ۔ ان کے لچکیلے جسم اس طرح حرکت کر رہے تھے جس طرح نسیم کے جھونکوں سے درختوں کی نرم شاخیں جھومتی ہیں ۔ ان کے لباس اس طرح اڑ رہے

تھے جس طرح سفید بادل چاند کی شعاعوں سے کھیل رہے ہوں۔ آنکھیں ان کو گھور رہی تھیں۔ پیشانیاں ان کو سجدے کر رہی تھیں۔ نوجوانوں کی روحیں ان سے ہم کنار ہو رہی تھیں اور بڈھے ان کے حسن و جمال سے لطف اٹھا رہے تھے۔

شراب کے دور میں اضافہ ہو گیا۔ مہمان اپنی آرزوؤں کو شراب میں غرق کرنے لگے۔ شور و شغف بڑھ گیا۔ آوازیں بلند اور آزادی فزوں تر ہو گئی۔ دماغ جواب دینے لگے۔ نفوس میں گرمی پیدا ہو گئی۔ دل مضطرب ہو گئے اور کھر کا کھر تار شکستہ رباب کی طرح ہو گیا جسے کسی دیوانے کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور وہ زور زور سے مضراب مار کر اس سے نغمے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

یہاں ایک نوجوان اپنی محبوبہ کی محبت میں سرشار بیٹھا ہے۔ وہاں ایک نو عمر حسن و عشق کی داستان بیان کر رہا ہے۔ ایک طرف ایک بڈھا جام پر جام لنڈھا کر گانے والوں سے ایسی غزل کی فرمائش کر رہا ہے جس سے اس کے ایام جوانی کی یاد تازہ ہو جائے۔ اس چھجے میں ایک عورت بیٹھی اس شخص کو غمزے دکھا رہی ہے جو اسے محبت بھری نظروں سے گھور رہا ہے۔ اس کونے میں ایک خاتون بیٹھی ہے جس کے بال سپید ہو چلے ہیں۔ وہ مہمان لڑکیوں میں سے اپنے لڑکے کے لیے دلہن تلاش کر رہی ہے۔ اس کھڑکی کے پاس ایک شادی شدہ عورت بیٹھی ہے جسے خاوند کے نشۂ شراب نے اپنے آشنا سے بات کرنے کی فرصت دے دی ہے۔ غرض سارے کے سارے شراب و غزل کے سمندر میں غرق تھے اور سرور و نشاط کے

عالم میں دنیا و مافیہا سے غافل ، غم دیروز و فکر فردا سے بے نیاز موجودہ دلچسپیوں میں گم تھے ۔

یہ سلسلہ جاری تھا اور حسین دلہن اس نظارہ کو اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اس طرح دیکھ رہی تھی جس طرح مایوس قیدی قید خانے کی سیاہ دیواروں پر نظر ڈالتا ہے ۔ اس کی نگاہیں بار بار ہال کے ایک گوشے پر پڑ رہی تھیں جہاں ایک بیس سالہ نوجوان مسرور حاضرین سے اس طرح الگ بیٹھا تھا جیسے مجروح پرندہ اپنے غول سے بچھڑ گیا ہو ۔ اس نے اپنا ہاتھ سینے پر اس طرح رکھا ہؤا تھا گویا اس کا دل باہر نکلا چاہتا ہے اور اسے اس ہال کی فضا کسی ناپسندیدہ چیز سے گھری ہوئی نظر آ رہی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی روح جسم سے علحدہ ہو چکی ہے اور تاریکیوں کی وسعت میں پرواز کر رہی ہے ۔

نصف رات گزر گئی اور مجلس کی نشاط آفرینیاں بڑھتی گئیں ، حتیٰ کہ گڑ بڑ مچ گئی ۔ اہل مجلس شراب کے نشہ میں چور ہو گئے ۔ ان کی زبانیں غوطے کھانے لگیں ۔ کریہہ المنظر دولھا اپنی جگہ سے اٹھا اور مہمانوں کے حلقہ میں پھرنے لگا ۔ نشہ اس کے حواس پر غالب آ چکا تھا ۔

اس لمحہ دلہن نے ایک لڑکی کو اشارہ سے بلایا اور جب وہ قریب آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی تو دلہن نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی گویا کوئی راز کی بات کہنا چاہتی ہے ۔ اس کے بعد اس نے لڑکی سے کانپتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی : ” اے میری سہیلی ! میں تمہیں اس محبت کی قسم دیتی ہوں جو میرے

اور تمھارے درمیان بچپن سے ہے - میں تمھیں اس چیز کی قسم دیتی ہوں جو تمھیں اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے - میں تمھیں رازھائے دل کی قسم دیتی ہوں - میں تمھیں اس محبت کی قسم دیتی ہوں جس میں ہماری روحیں مربوط ھیں اور شعاعیں پیدا کر رہی ھیں - میں تمھیں تمھارے دل کی فرحت اور اپنے دل کے درد کی قسم دے کر التماس کرتی ہوں کہ ابھی سلیم کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ چپکے سے باغ میں چلا جائے اور چنار کے درختوں کے نیچے میرا انتظار کرے - اے سوسن میری طرف سے اس سے التجا کرو حتیٰ کہ میری بات منوا لو - اسے گزشتہ ایام کی یاد دلاؤ - اسے محبت کا واسطہ دو اور کہو کہ وہ بے چاری رو رو کر اندھی ہوئی جاتی ہے وہ چاھتی ہے کہ تمھارے سامنے اپنا سینہ کھول کر رکھ دے قبل اس کے کہ وہ تاریکیوں میں سما جائے - اور کہو کہ وہ بد نصیب دوزخ کی آگ میں جلنے سے پہلے تمھاری آنکھوں کا نور حاصل کرنا چاھتی ہے - اور کہو کہ وہ مجرم ہے اور چاھتی ہے کہ اپنے جرموں کا اعتراف کرے اور تم سے معافی مانگے - جلدی کرو میری بہن ! اور میری طرف سے اس کے سامنے گریہ و زاری کرو - ان خنزیروں کی نگاھوں سے نہ ڈرو کیونکہ یہ سب کے سب شراب کے نشہ میں چور ھیں اور ان کے کان اور آنکھیں بند ہو چکی ھیں -"

سوسن دلہن کے پاس سے اٹھی اور سلیم کے نزدیک جا بیٹھی جو تنہا بیٹھا تھا - اور اس کے کان میں خلوص و محبت کے ساتھ باتیں کرنے لگی جو اس کے چہرے سے ٹپکا پڑتا تھا - سلیم

سر جھکائے اس کی باتیں سنتا رہا حتیٰ کہ سوسن کی بات ختم ہوئی ۔ اس کے بعد سلیم نے اس کی طرف غمگین نگاہ سے دیکھا اور جواب دیا : ”بہت اچھا ، میں چنار کے درختوں کے نیچے اس کا انتظار کروں گا ۔“

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باغ کی طرف چلا گیا ۔ چند منٹ کے بعد دلہن بھی اٹھی اور مہمانوں کی آنکھ بچا کر تاریکی کے پردے میں باہر نکل گئی ۔ وہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی جاتی تھی اور ایسی ہرنی کی طرح بھاگتی جا رہی تھی جو بھیڑیوں کے گلے سے بچ نکلی ہو ۔ حتیٰ کہ چنار کے درختوں کے نیچے پہنچ گئی جہاں وہ نوجوان کھڑا تھا ۔ جب اس نے اپنے آپ کو اس کے پاس پایا تو اس سے چمٹ گئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آنسو بہاتی ہوئی پُر درد الفاظ میں بولی : ”سنو اے میرے حبیب ! غور سے سنو میں اپنی جہالت اور جلد بازی پر بہت نادم ہوں ۔ اے سلیم ! ندامت نے میرے جگر کو پامال کر دیا ہے ۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں ۔ تمھارے سوا کسی سے پیار نہیں کرتی اور آخری دم تک تمھارے علاوہ کسی سے محبت نہ کروں گی ۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے مجھے فراموش کر دیا ۔ مجھے ٹھکرا دیا اور کسی دوسری لڑکی سے میرے دل کو زہر آلود کر دیا ۔ انھوں نے میرا دل جلا دیا اور اپنی دروغ بافیوں سے مجھے پریشان کر دیا ۔ انھوں نے مجھے اس لڑکی کے متعلق سب کچھ بتا دیا جس کی محبت میں تم نے مجھ سے نفرت اختیار کی اور مجھے چھوڑ دیا ۔ اس خبیث لڑکی نے مجھ پر ظلم کیا اور میری محبت کو تباہ کر دیا ۔ اور میں ایک شخص کو اپنا رواجی شوہر بنانے

پر رضامند ہو گئی ۔ لیکن اے سلیم ! میرا شوہر تمہارے سوا کوئی نہیں - اور اب کہ میری آنکھوں سے پردے ہٹ گئے ہیں میں تمہاری طرف آئی ہوں کہ اپنے آپ کو تمہارے آغوش میں ڈال دوں ۔ اور دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس شخص کے آغوش میں نہیں لے جا سکتی جس کے قبضے میں مجھے جبراً دے دیا گیا ہے ۔ میں نے اس شخص کو جسے میں نے جھوٹ موٹ کا شوہر بنایا ، ان پھولوں کو جو کاہن نے مجھے پیش کیے ، اس شریعت کو جسے میں نے رواج کی قیود سے مجبور ہو کر قبول کیا اور تمام دوسری چیزوں کو اس مکان میں چھوڑ دیا ہے جو شرابوں سے پر ہے اور تمہارے پاس آئی ہوں تاکہ تمہارے ساتھ کسی دور دراز ملک میں چلی جاؤں ۔ ہم دنیا کے کسی اور حصے میں چلے جائیں ، جنوں کی بستی میں چلے جائیں ، موت کے قبضہ میں چلے جائیں ۔ آؤ سلیم ! جلدی کرو رات کے تاریک پردے میں اس مکان سے نکل جائیں ۔ ساحل سمندر پر جائیں اور جہاز پر سوار ہو کر کسی دور افتادہ اور نہ معلوم ملک کو چلے جائیں ۔ آؤ ابھی چلیں ، قبل اس کے کہ صبح ہو جائے ہم دشمنوں کے ہاتھوں سے نجات حاصل کر لیں ۔ دیکھو! یہ ہیں میری طلائی چوڑیاں ، یہ ہیں ہار ، یہ ہیں بیش قیمت انگشتریاں اور یہ ہیں جواہرات ۔ یہ سب چیزیں ہمارے مستقبل کی ضمانت کے لیے کافی ہیں ۔ اور ہم امیروں کی سی زندگی بسر کر سکیں گے — تم بولتے کیوں نہیں سلیم ؟ میری طرف دیکھتے کیوں نہیں ؟ مجھے چومتے کیوں نہیں ؟ کیا تم میری آہ و زاری اور میرے دل کے نالے نہیں سنتے ؟ کیا تم یقین نہیں کرتے کہ میں اپنے دولہا اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر لباس عروسی

میں تمہارے ساتھ بھاگ چلنے کے لیے یہاں آئی ہوں ؟ بولو ! بولو ! یہ لمحے الماس کے ریزوں سے زیادہ قیمتی اور بادشاہوں کے تاجوں سے زیادہ گراں قدر ہیں ۔"

دلہن باتیں کر رہی تھی اور اس کی آواز میں ایک ایسا نغمہ پنہاں تھا جو زندگی کی سرگوشیوں سے زیادہ شیریں ، موت کی فریاد سے زیادہ دردناک اور موجوں کی طغیانی سے زیادہ گہرا تھا ۔ یہ نغمہ اس کی نبض کو اُمید و یاس ، لذت و الم ، فرحت و غم کے مابین مرتعش کر رہا تھا ۔

نوجوان اس کی باتیں سن رہا تھا اور اس کے دل میں محبت اور شرافت کے درمیان جنگ ہو رہی تھی ۔ وہ محبت جو دشواریوں کو سہل کر دیتی ہے اور تاریکی کو نور سے بدل دیتی ہے ۔ وہ شرافت جو انسان کے سامنے آ کر اسے اپنی خواہشوں اور ارادوں سے روکتی ہے ۔ وہ محبت جسے اللہ نے دل میں اُتارا ہے اور وہ شرافت جو دماغ سے تعلق رکھتی ہے ۔

تھوڑی دیر تک وہ خاموشی کے ساتھ اُن تاریک دنوں کا تصور کرتا رہا جن میں قومیں عروج و زوال کے درمیان جد و جہد کرتی ہیں پھر اُس نے سر اُٹھایا ۔ اُس کی خواہشات پر اُس کی شرافت غالب آ چکی تھی ۔ اُس نے خوف‌زدہ اور منتظر لڑکی کی طرف نگاہ کی اور کہا : "اے عورت ! جا اپنے شوہر کی آغوش میں جا ۔ قدرت کو ایسا ہی منظور ہے اور بیداری نے خوابوں کو محو کر دیا ہے ۔ جلدی اپنی مسرت کی دنیا میں جا ۔ قبل اس کے کہ رقیبوں کی نظریں تمہیں دیکھ پائیں اور لوگ کہیں کہ دلہن نے شب عروسی میں اپنے شوہر سے خیانت کی ،

جس طرح جدائی کے دنوں میں اپنے محبوب سے بے وفائی کی تھی۔"

دلہن یہ الفاظ سن کر کانپ اٹھی اور اس طرح مضطرب ہو گئی جس طرح کمہلایا ہؤا پھول ہوا کے جھونکوں سے پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر درد بھری آواز سے بولی: "جب تک مجھ میں زندگی کی رمق بھی باقی ہے میں اس مکان میں واپس نہیں جاؤں گی جہاں سے میں ہمیشہ کے لیے نکل آئی ہوں۔ میں نے اسے اور ہر چیز کو جو اس میں ہے اس طرح چھوڑ دیا ہے جس طرح قیدی قید خانے کو ترک کرتا ہے۔ مجھے اپنے سے دور نہ کرو اور یہ نہ کہو کہ میں خیانت کار ہوں کیونکہ وہ محبت جس نے میری روح کو تمھاری روح کے ساتھ مربوط کیا ہے، اس کاهن کے هاتھ سے زیادہ مضبوط ہے جس نے میرا جسم دولہا کے حوالے کر دیا ہے۔ آؤ! مجھے اپنی باہیں تم اپنے گلے میں ڈالنے دو جنہیں کوئی قوت چھڑا نہ سکے۔ اور آؤ ہم اس طرح مل جائیں کہ ہمیں موت بھی ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے۔"

نوجوان نے بڑے زور کے ساتھ اپنے گلے کو اس کی باہوں سے چھڑا کر کہا: "مجھ سے دور ہو جا اے عورت! میں نے تجھے چھوڑ دیا — چھوڑ دیا۔ میں نے تجھ سے نفرت کی اور کسی دوسری سے محبت پیدا کر لی۔ لوگ غلط نہیں کہتے۔ کیا تو سن رہی ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ میں نے تجھے چھوڑ دیا، یہاں تک کہ میں تجھے بھول گیا۔ میں نے تجھ سے نفرت کی، یہاں تک کہ تیری شکل سے بیزار ہو گیا۔ مجھ سے دور ہٹ جا اور مجھے اپنی راہ جانے دے۔ اپنے شوہر کے پاس

واپس جا اور اس کی وفادار بیوی بن ۔"

دلہن نے چلا کر کہا : " نہیں! نہیں!! میں تمھاری باتوں کا یقین نہیں کر سکتی ۔ تم مجھ سے محبت کرتے تھے ۔ میں نے تمھاری آنکھوں میں محبت کے معنی پڑھے تھے ۔ اور جب کبھی تمھارے جسم کو چھؤا تھا گویا محبت کو چھؤا تھا ۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو ۔ محبت کرتے ہو ۔ محبت کرتے ہو ۔ جس طرح میں تم سے محبت کرتی ہوں ۔ میں اس جگہ سے تمھارے بغیر نہیں ہٹوں گی اور اس مکان میں ہرگز نہ جاؤں گی ۔ میرا ارادہ اٹل ہے اور میں تمھارے پاس اس لیے آئی ہوں کہ کسی دوسری سرزمین میں چلی جاؤں ۔ اس لیے چلو میرے آگے ورنہ ہاتھ اٹھاؤ اور میرا خون بہا دو !"

نوجوان نے پہلے سے بلند آواز میں کہا: " اے عورت! مجھے چھوڑ دے ورنہ میں چیخ کر ان مہمانوں کو یہاں جمع کر لوں گا جو تیری شادی کی خوشی منانے کے لیے آئے ہوئے ہیں ۔ پھر کیا ہو گا ، وہ تیری یہ ذلیل حرکت دیکھیں گے اور تجھے برا بھلا کہیں گے ۔ پھر اس بات کا تصور بھی کر کہ وہ عورت بھی تیرے سامنے کھڑی ہو گی اور تیری شکست اور اپنی فتح پر استہزا آمیز تبسم کرے گی ۔"

یہ کہہ کر نوجوان نے اس کے بازوؤں کو پکڑ لیا تاکہ اپنے آپ کو ان سے خلاصی دلائے ۔ دلہن کا رنگ متغیر ہو گیا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں ۔ اس کی محبت و عاجزی غضب و قساوت میں تبدیل ہو گئی اور اس نے چلا کر کہا : " وہ کون ہے جو میرے بعد تمھاری محبت سے متمتع ہو ۔

میرے دل کے سوا کون سا دل تمہارے لبوں کے بوسے سے مسرور ہو سکتا ہے؟"

یہ الفاظ کہہ کر اس نے اپنے کپڑوں میں سے ایک آبدار خنجر نکال لیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اسے نوجوان کے سینے میں گھونپ دیا۔ اور وہ اس طرح زمین پر گرا جیسے طوفان سے ٹوٹی ہوئی شاخ درخت۔ دلہن اس کے پاس خنجر بدست کھڑی تھی اور خنجر سے خون ٹپک رہا تھا۔ نوجوان نے آنکھیں کھولیں، جو موت کے سائے میں پہنچ رہی تھیں۔ اس کے لبوں کو حرکت ہوئی، اور ان میں سے یہ الفاظ مدھم آواز میں نکلے: "اے میری جان! اب میرے نزدیک آؤ۔ میری لیلیٰ! میرے قریب آؤ اور مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ زندگی موت سے کمزور ہے اور موت محبت سے کمزور۔ سنو! براتیوں کے قہقہے سنو میری جان! ساغروں کی جھنکار سنو! اے لیلیٰ! تم نے مجھے ان قہقہوں اور اس جھنکار کی سنگ دلی سے نجات دلا دی۔ لاؤ میں اس ہاتھ کو چوموں جس نے میری قیود کو توڑ دیا۔ تم میرے ہونٹوں کو بوسہ دو جنھوں نے جھوٹ کہا اور میرے دل کے اسرار کو مخفی رکھا۔ میری آنکھوں کو اپنی انگلیوں سے بند کرو جو میرے خون میں تر ہیں۔ جب میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو خنجر کو میرے پہلو میں رکھ کر ان لوگوں سے کہہ دینا کہ اس شخص نے مایوسی اور حسد کے باعث خودکشی کر لی ہے۔ میری جان! میری لیلیٰ! میں تیرا ہی عاشق تھا اور تیرے سوا کسی سے محبت نہ کرتا تھا لیکن میرے دل کی شرافت و سعادت نے مجھے اجازت نہ دی کہ میں تمہارے ساتھ شادی کی رات

بھاگ نکلوں ۔ اے میری جان ! قبل اس کے کہ لوگ میری نعش کو دیکھیں مجھے بوسہ دو ۔ مجھے چومو ۔ مجھے چومو اے لیلیٰ !"

اس نے اپنے زخمی دل پر ہاتھ رکھا ۔ اس کا منکا ڈھلا اور روح پرواز کر گئی ۔

دلھن نے اپنا سر اٹھایا ، مکان کی طرف نگاہ دوڑائی اور چیخ پکار کرنے لگی : " آؤ ، لوگو آؤ اور دیکھو ! یہ ہے دولھا اور یہ ہے دلھن ۔ دوڑو تاکہ میں تمھیں نرم نرم بستر دکھاؤں ۔ جو سو رہا ہے اسے جگاؤ ۔ جو مخمور ہے اسے ہوش میں لاؤ ۔ اور سب کے سب آؤ تاکہ میں تمھیں محبت اور حیات و موت کے اسرار دکھاؤں ۔"

دلھن کی پکار اس مکان کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی اور مسرور و شاداں اہل محفل کے کانوں میں گونج اٹھی ۔ ان کی روحیں کانپ اٹھیں ۔ انھوں نے ایک لمحہ توقف کیا کہ شاید ان کے کان انھیں دھوکہ دے رہے ہیں لیکن اس کے بعد وہ مکان کے دروازوں سے نکل نکل کر اور باہر سے آ کر بعجلت بھاگ اٹھے ۔ وہ ادھر ادھر متجسس نگاہوں سے دیکھنے لگے حتیٰ کہ ان کی نظریں نعش اور دلھن پر پڑیں ۔ یہ دیکھ کر وہ خوف کے مارے پیچھے کی طرف بھاگے کیونکہ اس خونیں منظر کو دیکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی جہاں مقتول کے سینے سے خون بہ رہا تھا اور دلھن کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا تھا ۔ ان کی زبانیں بند ہو گئیں اور جسموں کے اندر حیات منجمد ہو گئی ۔

دلہن نے ان کی طرف دیکھا ۔ اس کا چہرہ غم آلود ہیبت سے تابناک تھا ۔ اس نے چلا کر کہا : " آؤ اے بزدلو ! موت کے خیال سے مت ڈرو ۔ کانپو مت اور اس خنجر سے خوف نہ کھاؤ کیونکہ یہ مقدس ہتھیار ہے جو تمہارے نجس جسموں اور تاریک سینوں کو نہیں چھو سکتا ۔ دیکھو اس نوجوان کو جو لباس عروسی میں ملبوس ہے یہ میرا حبیب ہے اور میں نے اسے اس لیے قتل کر دیا کہ وہ میرا حبیب ہے ۔ وہ دولھا ہے اور میں دلہن ہوں ۔ ہم راہ ڈھونڈتے تھے لیکن ناکام رہے کیونکہ تمہاری جہالتوں اور قیدوں نے ہم پر زندگی کی راہیں تنگ کر دی تھیں ۔ آؤ اے خائف اور کمزور انسانو ! دیکھو تا کہ تمہیں ہمارے چہروں میں اللہ کا نور نظر آئے ۔ سنو تا کہ ہمارے دل سے تمہارے کانوں میں فریاد پہنچے — وہ خبیث اور حاسد عورت کہاں ہے جس نے میرے حبیب کے متعلق مجھ سے یہ کہا کہ وہ اس کی محبت میں مبتلا ہے اور مجھے چھوڑ چکا ہے ، بھول چکا ہے ؟ جب کاھن نے اپنا ہاتھ میرے اور میرے منگیتر کے سر کے اوپر اٹھایا ہوگا تو اس شریر عورت کو وہم ہو گیا ہو گا کہ اس کو فتح حاصل ہوئی ۔ لیکن — وہ جہنمی ناگن کہاں ہے ؟ میں اسے دعوت دیتی ہوں کہ قریب آئے اور دیکھے کہ اس نے تم لوگوں کو میرے حبیب کی شادی کی خوشیاں منانے کے لیے کس طرح جمع کر دیا ہے ۔ میرے حبیب کی شادی اس شخص کی شادی نہیں جسے میں نے اپنا خاوند بنایا ہے ۔

" تم میرا کلام نہیں سمجھتے لیکن تم اپنی اولاد کو بتاؤ گے کہ ایک عورت نے اپنے حبیب کو اپنی شادی کی رات قتل

کر دیا ۔ تم میرا ذکر کرو گے اور اپنے گنہگار ضمیر سے مجھ پر لعنت و ملامت کرو گے لیکن تمہارے پوتے مجھے مبارک باد دیں گے ۔

” اور اے غبی شخص ! تم نے حیلہ و مکر ، مال و دولت اور خباثت کے ذریعے مجھے اپنی بیوی بنانا چاہا ۔ تم اس قوم کے فرد ہو جو ظلمت میں نور کی تلاش کرتی ہے ، جو پتھر سے پانی نکلنے کی منتظر ہے اور ریگستان میں پھول آگانے کی آرزو مند ۔ تم ان آبادیوں کو دیکھو جو اپنے آپ کو اس طرح جہالت کے حوالے کر چکی ہیں جس طرح ایک اندھا اپنا ہاتھ ایک اندھے کے ہاتھ میں دے دے ۔ تم اس مردانگی کا مجسمہ ہو جو ہاروں اور چوڑیوں کے لیے گردنیں اور باہیں کاٹتی ہے ۔ میں تمہیں معاف کرتی ہوں کیونکہ مسرور روحیں اس دنیا سے کوچ کرنے سے پہلے سب کے گناہ معاف کر دیا کرتی ہیں ۔“

دلہن نے خنجر آونچا کیا اور اسے خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے سینے میں گھونپ لیا ۔

نالۂ قبور

امیر مسند قضا پر جلوہ افروز ہؤا ۔ اس کے دائیں بائیں ملک کے دانا آدمی بیٹھے تھے جن کے پرشکن چہروں پر کتابوں اور صحیفوں کا عکس پڑ رہا تھا ۔ اردگرد سپاہی تلواریں تھامے اور نیزے اٹھائے کھڑے تھے ۔ سامنے تماشائی مجرموں کے محاکمے کا منظر دیکھنے کے انتظار میں تھے ۔ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں ، آنکھوں میں عاجزی جھلک رہی تھی اور سانس رکے ہوئے تھے گویا امیر کی آنکھوں میں ایک طاقت تھی جو ان کے دلوں پر خوف و رعب طاری کر رہی تھی ۔

مجلس ختم ہوئی اور محاکمے کا وقت آ گیا ۔ امیر نے ہاتھ اٹھایا اور چلا کر کہا : ”مجرموں کو ایک ایک کر کے میرے سامنے حاضر کرو اور ان کی خطاؤں اور جرموں سے مجھے آگاہ کرو ۔“ قید خانے کا دروازہ کھول دیا گیا اور سیاہ دیواریں نظر آنے لگیں ۔

زنجیروں کی جھنکار بلند ہوئی جس کے ساتھ قیدیوں کی آہ و بکا بھی ملی ہوئی تھی ۔ حاضرین گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے گویا اس قبر کی گہرائی سے نکلنے والے موت کے شکار پر پہلے نظر ڈالنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں ۔

تھوڑے عرصے کے بعد قید خانے سے دو سپاہی نکلے جن کی تحویل میں ایک نوجوان تھا ۔ اس نوجوان کے ہاتھوں میں

ھتھکڑی تھی اور اس کی چڑھی ہوئی تیوری اور بے خوف چہرے سے اس کی خودداری اور قوت قلب کا پتہ چلتا تھا۔ سپاہیوں نے اسے عدالت کے وسط میں کھڑا کر دیا اور خود تھوڑا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ امیر نے لمحہ بھر تک ان کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر سوال کیا: "یہ شخص جو ہمارے حضور اس طرح سر اٹھائے ہوئے کھڑا ہے گویا عدالت کی گرفت میں نہیں بلکہ کسی فخر کے مقام پر کھڑا ہے، اس نے کیا جرم کیا ہے؟"

اعیان امیر میں سے ایک نے جواب دیا: "کل امیر کے ایک فوجی افسر اور چند سپاہی دیہات میں ایک مہم پر گئے تھے کہ اس شخص نے افسر کو قتل کر دیا۔ سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور خون میں لتھڑی ہوئی تلوار قبضہ میں کر لی۔"

امیر تخت پر بیٹھا غضب سے کانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے غیظ کے تیر نکل رہے تھے۔ اس نے گرجتی ہوئی آواز سے کہا: "اسے بھاری زنجیروں میں جکڑ دو اور پھر اسی تاریک خانہ میں بند کر دو اور کل جب صبح طلوع ہو تو اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دو اور اس کی نعش کو شہر کے باہر پھینک دو تاکہ گدھ اور چیلیں اس کا گوشت نوچ لیں اور ہوا اس کی بدبو کو اس کے گھر والوں اور دوستوں تک پہنچائے۔"

نوجوان کو واپس قید خانے کی طرف لے جایا گیا اور لوگوں کی متاسف نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا کیونکہ وہ ابھی کم عمر تھا، خوبصورت تھا اور قوی جسم تھا۔

اس کے بعد دو اور سپاہی ایک عورت کو لیے قید خا۔

سے نکلے ۔ یہ عورت خوبصورت اور نازک اندام تھی ۔ اس کی آنکھوں میں یاس و قنوط کی زردی جھلک رہی تھی ۔ اس نے آنکھیں نیچی کی ہوئی تھیں اور ندامت کے مارے گردن کو جھکایا ہؤا تھا ۔

امیر نے اس پر نگاہ ڈالی اور کہا : ” یہ عورت جو ہمارے سامنے اس طرح کھڑی ہے جیسے حقیقت کے سامنے سایہ ۔ اس نے کیا جرم کیا ہے ۔“

ایک سپاہی نے جواب دیا : ” یہ عورت زانیہ ہے ۔ رات اس کا خاوند گھر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنے ایک دوست سے ہمکنار ہے ۔ اس کا دوست ڈر کر بھاگ گیا اور خاوند نے اسے پولیس کے حوالے کر دیا ۔“

امیر یہ سن کر غضبناک ہو گیا اور عورت مارے شرم کے پانی پانی ہو گئی ۔ امیر نے گرجتے ہوئے کہا : ” اسے واپس قید خانے میں لے جاؤ اور کانٹوں کے بستر پر سلاؤ تاکہ یہ اس بستر کو یاد کرے جسے اس نے اپنے گناہ سے ناپاک کر دیا ۔ اور اسے حنظل ملا ہؤا سرکہ پلاؤ تاکہ اپنے گھر کے کھانے کو یاد کرے ۔ اور جب صبح ہو تو اسے برہنہ کر کے کشاں کشاں شہر کے باہر لے جاؤ اور سنگ سار کر دو ۔ اس کی نعش کو وہیں پڑا رہنے دو تاکہ بھیڑیے اس کا گوشت کھا جائیں اور اس کی ہڈیوں کو کیڑے مکوڑے چاٹ لیں ۔“

عورت کو پھر قید خانے کی تاریکیوں میں لے جایا گیا ۔ حاضرین اس کی طرف تاسف کی نظروں سے دیکھ رہے تھے ۔ وہ

امیر کے انصاف پر بھی خوش تھے لیکن انھیں عورت کے حسن و جمال اور اس کی پر ملال آنکھوں پر بھی رحم آتا تھا۔

دو سپاہی درمیانی عمر کے ایک ضعیف آدمی کو لیے ہوئے آئے جو اپنے کانپتے ہوئے گھٹنوں کو گھسیٹتا ہؤا چلتا تھا۔ اس نے مجمع کی طرف قلق بھری آنکھوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ناامیدی، تباہی اور افلاس جھلک رہا تھا۔

امیر نے اس پر نگاہ ڈالی اور جوش کے لہجہ میں کہا: "اس غلیظ آدمی نے جو اس طرح کھڑا ہے جیسے زندوں میں مردہ، کیا جرم کیا ہے؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا: "یہ چور ہے۔ رات کے وقت کلیسا میں جا گھسا اور راہبوں نے اسے پکڑ لیا۔ اس کی جھولی میں مقدس قربان گاہوں کے برتن پائے گئے۔"

امیر نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے بھوکا گدھ پر شکستہ چڑیا کی طرف دیکھتا ہے اور چلا کر بولا: "اسے پھر قید خانے کی تاریکیوں میں اتار دو اور زنجیروں سے جکڑ دو۔ جب صبح ہو جائے تو اسے ریشمی رسی سے ایک بلند درخت سے لٹکا دو اور اسی طرح اسے زمین و آسمان کے درمیان لٹکا رہنے دو، حتیٰ کہ اس کی خطا کار انگلیاں گل سڑ جائیں اور ان کی بدبو اطراف میں پھیل جائے۔"

سپاہی چور کو پھر قید خانے میں لے گئے اور لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ اس ضعیف کافر نے مقدس معبد کے برتن چرانے کی جرأت کس طرح کی؟

امیر کرسئی عدالت سے اترا اور مشیران دانا اور علماء اس

کے پیچھے پیچھے ہو لیے - سپاہی کچھ آگے ہو گئے کچھ پیچھے - تماشائی منتشر ہو گئے اور جگہ خالی ہو گئی البتہ قیدیوں کی آہ و بکا برابر سنائی دیتی تھی -

میں وہاں کھڑا اس قانون پر حیران ہو رہا تھا جو انسان نے انسان کے لیے وضع کیا ہے - میں اس چیز پر غور کر رہا تھا جسے لوگ انصاف کہتے ہیں حتیٰ کہ میرے خیالات اس طرح غائب ہو گئے جس طرح شفق دھندلکے میں چھپ جاتی ہے - میں اس مکان سے نکلا اور دل میں یہ کہتا تھا کہ گھاس مٹی کے عناصر سے نمو پاتی ہے ، بکری گھاس کو کھا لیتی ہے بھیڑیا بکری کو اپنی خوراک بناتا ہے - گینڈا بھیڑیے کو کھا لیتا ہے اور شیر گینڈے کو فنا کے گھاٹ پہنچا دیتا ہے - کیا کوئی ایسی طاقت بھی موجود ہے جو موت پر غالب آئے اور مظالم کے اس سلسلے کو ختم کر دے ؟ کیا کوئی ایسی طاقت موجود ہے کہ ان تمام کریہہ اسباب کو عمدہ نتائج پر منتج کر دے ؟ کیا کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو زندگی کے تمام عناصر کو اپنے ہاتھ میں لے اور اپنے اندر جذب کر لے جس طرح سمندر تمام دریاؤں کو اپنی گہرائیوں میں جگہ دیتا ہے ؟ کیا کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو قاتل مقتول ، زانیہ اور اس کے آشنا ، چور اور مدعی کو امیر کے محکمہ سے اعلیٰ تر محکمہ کے سامنے کھڑا کر دے ؟

دوسرے دن میں شہر سے نکل کر کھیتوں کی طرف ہو لیا تاکہ طبیعت کو کچھ سکون حاصل ہو اور جنگل کی خوشگوار

فضا یاس و قنوط کے ان جراثیم کو مار دے جو تنگ گلی کوچوں اور اندھیرے مکانوں نے میرے اندر پیدا کر دیے تھے ۔ میں جس وقت وادی میں پہنچا تو دیکھا کہ گدھ ، چیلیں اور کوے غول در غول اڑ رہے ہیں اور زمین پر اتر رہے ہیں ۔ فضا ان کی آوازوں اور ان کے پروں کی جنبش سے مرتعش ہے ۔ میں ذرا آگے بڑھا تو دیکھا کہ میرے سامنے ایک نعش درخت سے لٹک رہی ہے ۔ ایک ننگی عورت کی نعش پتھروں کے ڈھیر میں پڑی ہے جن سے اسے سنگ سار کیا گیا تھا ۔ اور ایک نوجوان کی نعش خاک و خون میں غلطاں ہے اور اس کا سر دھڑ سے علحدہ ہے ۔

میں اس مقتل کے پاس ٹھہر گیا ۔ میری بصیرت پر ایک موٹا اور تاریک پردہ پڑ گیا اور میں موت کی پرچھائیں کے سوا جو خون میں لتھڑی ہوئی ان نعشوں پر مسلط تھی اور کچھ نہ دیکھتا تھا اور فنا کی پکار کے علاوہ کچھ نہ سنتا تھا ۔ اس پکار میں کوؤں کی آواز بھی ملی ہوئی تھی جو انسانی قانون کے شکاروں کے گرد منڈلا رہے تھے ۔

تین ابنائے آدم کل تک زندہ تھے لیکن آج صبح موت کے قبضے میں چلے گئے ۔ تین آدمیوں نے عرف انسانی میں ناموس کو کھو دیا اور اندھے قانون نے ہاتھ بڑھا کر انہیں سنگدلی کے ساتھ پامال کر دیا ۔

تین آدمیوں کو جہالت نے مجرم قرار دے دیا کیونکہ وہ ضعیف تھے ۔ اور قانون نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا کیونکہ وہ قوی تھا ۔

ایک آدمی نے دوسرے کو قتل کر دیا تو وہ قاتل ٹھہرا لیکن جب امیر نے قاتل کو قتل کروا دیا تو امیر عادل سمجھا گیا ۔

ایک شخص نے معبد کا مال چرا لیا تو لوگوں نے اسے چور کہا لیکن جب امیر نے اس کی زندگی سلب کر لی تو امیر فاضل ٹھہرا ۔

ایک عورت نے اپنے خاوند سے خیانت کی تو لوگوں نے اسے زانیہ ٹھہرایا لیکن جب امیر نے اسے برہنہ کر کے سنگ سار کروایا تو وہ امیر شریف کہلایا ۔

خون بہانا حرام ھے لیکن امیر کے لیے یہ کس نے حلال کر دیا ؟

مال سلب کرنا جرم ھے لیکن روحوں کو سلب کر لینا کس نے جائز کیا ؟

عورتوں کی خیانت قبیح چیز ھے لیکن یہ کس نے کہا کہ خوبصورت جسموں کو سنگ سار کرنا مستحسن ھے ؟

ہم برائی کے مقابلہ میں اس سے بڑی برائی کرتے ھیں اور کہتے ھیں کہ یہ قانون ھے ۔ فساد کا بدلہ بدترین فساد سے دیتے ھیں اور کہتے ھیں کہ یہ ناموس ھے ۔ جرم کے عوض جرم اکبر کرتے ھیں اور چلاتے ھیں کہ یہ انصاف ھے ۔

کیا امیر نے کبھی اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ نہیں آتارا؟ کیا اس نے کبھی اپنی رعیت کے کسی کمزور انسان کا مال سلب نہیں کیا ؟ کیا اس نے کبھی کسی خوبصورت عورت کی طرف

آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا ؟ کیا وہ ان تمام جرائم سے پاک ہے کہ اس کے لیے قاتل کی گردن اڑانا ، چور کو سولی پر چڑھانا اور زانیہ کو سنگ سار کرنا جائز ہو گیا ؟

وہ کون تھے جنھوں نے چور کو درخت پر لٹکایا ؟ کیا فرشتے آسمان سے اُترے تھے یا وہ یہی انسان تھے جو وہ سارے مال غصب کرتے اور چراتے ہیں جو ان کے ہتے چڑھ جاتے ہیں ؟

اور اس قاتل کا سر کس نے قلم کیا تھا ؟ کیا اوپر سے انبیا آئے تھے یا وہ یہی سپاہی تھے ، جو قتل و خون کرتے رہتے ہیں ؟

اور زانیہ کو سنگ سار کس نے کیا تھا ؟ کیا مقدس ہستیاں اپنی خانقاہوں سے آئی تھیں یا وہ یہی بشر تھے جو تاریکی کے پردے میں سیاہ کاریاں کرتے ہیں ؟

قانون —— قانون کیا چیز ہے ؟ کس نے اسے دیکھا ہے ؟ کس نے اسے آسمان کی بلندیوں سے آفتاب کی شعاعوں کے ساتھ اُترتے دیکھا ہے ؟ اور کس انسان نے مشیت ایزدی کو انسانی قلب سے متفق پایا ہے ؟ اور کس زمانے میں فرشتوں نے انسان سے آ کر کہا کہ کمزوروں کو نور زندگی سے محروم کر دو ، بے حیثیتوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دو اور خطا کاروں کو آہنی پاؤں سے روند ڈالو ؟

میرے دماغ میں یہی خیالات چکر لگا رہے اور مجھے پریشان کر رہے تھے ، حتیٰ کہ میں نے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنی اور دیکھا کہ ایک عورت درخت میں سے نکل کر نعشوں کے

قریب آ رہی ہے ۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں ہیں اور وہ اس دہشت ناک منظر کو دیکھ کر ڈر گئی ہے ۔ وہ اس نعش کے پاس پہنچی جس کا سر کٹا ہؤا تھا اور چیخ چیخ کر رونے لگی ۔ وہ نعش کی طرف بڑھی اور اسے اپنی کانپتی ہوئی باہوں سے گلے لگا لیا ۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا تھا ۔ وہ اپنی انگلیوں سے نعش کے بالوں کو مس کر رہی تھی ۔ جب تھک گئی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے زمین کھودنی شروع کر دی ، حتیٰ کہ وسیع قبر کھود لی ۔ پھر اس نے نوجوان کی نعش کو اٹھا کر قبر میں آتار دیا ۔ اس کا کٹا ہؤا خون آلود سر کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور قبر کو مٹی سے ڈھانپ کر اس کے اوپر اس تلوار کے پھل کو گاڑ دیا جس نے مرنے والے کا سر قلم کیا تھا ۔ اس کے بعد اس نے آنسو بہاتے ہوئے مجھ سے کہا : " امیر سے کہہ دو کہ بجائے اس کے کہ میں اس شخص کی نعش کو جس نے مجھے ذلت کے قبضے سے نجات دلائی جنگل کے درندوں اور پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دوں ، میرے لیے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں اور اس شخص سے جا ملوں ۔"

میں نے اس سے کہا : " مجھ سے ڈرو مت ، اے مسکین عورت ! کیونکہ میں تم سے پہلے ان تینوں پر گریہ و زاری کر چکا ہوں ۔ لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کہ اس شخص نے تمھیں ذلت کے قبضے سے کس طرح بچایا ؟ "

اس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں جواب دیا : " امیر کا ایک افسر ہمارے کھیتوں میں مالیانہ وصول کرنے آیا ۔ لیکن جب

اس نے مجھے دیکھا تو مجھ پر خوفناک استحسان کی نظریں ڈالنے لگا ۔ اس کے بعد اس نے میرے والد پر محصولات کی بھاری رقم عائد کر دی اور چونکہ میرا غریب باپ یہ رقم ادا نہیں کر سکتا تھا اس لیے افسر نے قہر میں آ کر روپیہ کے عوض مجھ پر قبضہ کر لیا تاکہ مجھے امیر کے محل میں پہنچائے ۔ میں نے رو کر اس سے رحم کی درخواست کی لیکن اسے رحم نہ آیا ۔ میں نے اسے والد کے بڑھاپے کا واسطہ دیا لیکن وہ مائل بہ کرم نہ ہؤا ۔ میں نے چلا چلا کر گؤں والوں کے سامنے فریاد کی ۔ اس پر یہ نوجوان جو میرا منگیتر تھا آیا اور اس نے مجھے افسر کے ہاتھوں سے چھڑایا ۔ افسر نے غضبناک ہو کر اسے قتل کر دینا چاہا لیکن نوجوان نے سبقت کی اور دیوار سے لٹکی ہوئی پرانی تلوار کھینچ کر اپنی مدافعت اور میرے ناموس کے لیے افسر کو قتل کر دیا ۔ اس کے بعد وہ عزت نفس کے باعث مقتول کی نعش کے پاس ہی کھڑا رہا ، حتیٰ کہ سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا ۔“

اس نے یہ کہا اور میری طرف دل کو پگھلا دینے والی اور پرتاثیر نگاہوں سے دیکھا ۔ پھر جلدی سے پیٹھ موڑی اور چلی گئی ۔ البتہ اس کی دردناک آواز فضا میں مرتعش رہ گئی ۔

تھوڑے عرصے کے بعد میں نے ایک نوجوان کو آتے دیکھا جس نے اپنا چہرہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا ۔ وہ زانیہ کی نعش پر پہنچ کر رک گیا اور اس نے اپنا پیراہن اتار کر اس سے برہنہ عورت کو ڈھانپ دیا اور اپنے خنجر سے زمین کھودنے لگا ۔ قبر تیار ہو گئی تو اس نے عورت کو اس میں

دفن کر دیا ۔ جب یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا تو اس نے ادھر ادھر سے کچھ پھول توڑ کر گلدستہ بنایا اور قبر پر رکھ دیا ۔ جب وہ جانے لگا تو میں نے اسے ٹھہرا لیا اور کہا : ” تمھاری اس عورت سے کیا نسبت تھی کہ تم نے امیر کے ارادہ کے خلاف اور اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اس کے لیے اتنی محنت کی اور اس کے جسم کو طعمۂ زاغ و زغن بننے سے بچایا ؟ “

نوجوان نے میری طرف دیکھا ۔ اس کی آنکھوں میں گریہ اور شب بیداری کی علامات نظر آ رہی تھیں ۔ وہ انتہائی درجہ کی غمزدہ اور شکستہ آواز میں بولا : ” میں وھی بد بخت آدمی ہوں جس کی خاطر اس بے چاری کو سنگ سار کیا گیا ۔ ہم ایک دوسرے کو اس وقت سے چاہتے تھے جب کہ ہم بچپن میں اکٹھے کھیلا کرتے تھے ۔ ہم جوان ہو گئے اور محبت بھی پوری نشو و نما پا گئی ۔ ایک روز جب کہ میں شہر سے باہر گیا ہؤا تھا ، لڑکی کے والد نے اس کی شادی جبراً ایک شخص سے کر دی ۔ میں جب واپس آیا اور یہ خبر سنی تو میری زندگی تاریک ہو گئی اور مجھے جینا دوبھر ہو گیا ۔ میں اپنے میلان طبع کے ساتھ جنگ کرتا رہا لیکن مغلوب ہو گیا اور میری محبت مجھے اس طرح لے کر چل دی جس طرح آنکھوں والا کسی اندھے کی رہنمائی کرتا ہے ۔ میں چھپ کر اپنی محبوبہ کے مکان پر پہنچا تاکہ میں اس کی آنکھوں کا نور دیکھوں اور اس کی آواز کا نغمہ سنوں ۔ میں نے اسے تنہا پایا ۔ وہ اپنی قسمت کو رو رہی تھی اور اپنی زندگی کا ماتم کر رہی تھی ۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا ۔ ہم سکون کے ساتھ

مصروف گفتگو تھے اور خدا شاھد ہے کہ ھارے دل پاک تھے۔
لیکن جب ایک گھنٹہ گزر گیا تو دفعتاً اس کا خاوند آ گیا ۔
اس نے جب مجھے دیکھا تو جوش و غضب سے دیوانہ ھو گیا ۔
اس نے عورت کے گلے میں کپڑا ڈال کر شور مچانا شروع کر دیا : " لوگو آؤ! اور اس زانیہ اور اس کے عاشق کو دیکھو۔"
ھمسائے جمع ھو گئے اور تھوڑی دیر میں پولیس والے بھی خبر پا کر آ موجود ھوئے ۔ اس شخص نے اپنی بیوی کو پولیس کے درشت ھاتھوں میں دے دیا جو اسے گھسیٹتے ھوئے تھانہ کی طرف لے گئے ۔ لیکن مجھے کسی نے ضرر نہ پہنچایا کیونکہ اندھا قانون اور فاسد تقلید صرف عورت کا پیچھا کرتی ھے ۔ مرد اس کے نزدیک قابل معافی ھے ! "

نوجوان یہ حکایت بیان کرنے کے بعد اپنا چہرہ چھپائے شہر کی طرف چل دیا اور مجھے اس نعش کی طرف دیکھتے ھوئے چھوڑ گیا جو درخت سے لٹک رھی تھی اور صرف اسی قدر حرکت کرتی تھی جتنا کہ ھوا کے جھونکے درخت کی شاخوں کو جنبش دیتے تھے ۔ گویا وہ فضا کی روحوں سے رحم کی درخواست کر رھی تھی اور چاھتی تھی کہ اسے نیچے اتار کر زمین پر مقتولان مروت اور شہیدان محبت کے پہلو میں ڈال دیا جائے۔

ایک گھنٹہ کے بعد ایک ضعیف عورت آ پہنچی جس کے جسم کے کپڑے تار تار تھے۔ وہ درخت سے لٹکی ھوئی نعش کے قریب آ کر ٹھہر گئی اور اس نے گریہ و زاری سے اپنے سینے کو ھلکا کیا ۔ اس کے بعد وہ درخت پر چڑھ گئی اور اس نے اپنے

دانتوں سے ریشمی رسی کو کھولا ۔ نعش گیلے کپڑے کی طرح زمین پر آ رہی ۔ عورت درخت سے نیچے آتری اور اس نے دو قبروں کے پہلو میں تیسری قبر کھودی اور نعش کو اس میں دفن کیا ۔ جب وہ قبر پر مٹی ڈال چکی تو اس نے لکڑی کے دو ٹکڑے لے کر ان کی صلیب بنائی اور قبر کے سرھانے اسے نصب کر دیا ۔ جب وہ جانے لگی تو میں نے بڑھ کر سوال کیا : " اے عورت ! تمھیں کس بات نے مجبور کیا کہ تم ایک چور کو دفن کرنے کے لیے یہاں آؤ ۔"

عورت نے میری طرف دیکھا ۔ اس کی نگاھوں میں پریشانی اور وارفتگی کے آثار تھے ۔ اس نے کہا : " یہ میرا خاوند ، میرا رفیق حیات اور میرے بچوں کا باپ ھے ۔ ھمارے پانچ بچے بھوکوں مر رھے ھیں ۔ ان میں سب سے بڑا آٹھ سال کا ھے اور سب سے چھوٹا ابھی دودھ پیتا ھے ۔ میرا خاوند چور نہ تھا ۔ وہ کلیسا کی زمین میں کھیتی باڑی کرتا تھا اور اسے کلیسا کے راھب صرف اسی قدر معاوضہ دیتے تھے کہ اگر شام کو ھم کھانا کھا لیتے تو صبح کے لیے کچھ نہیں بچتا تھا ۔ میرا مرحوم خاوند جوان تھا اور وہ معبد کے کھیتوں کو اپنی پیشانی کے پسینے سے پانی دیتا تھا اور اپنے بازوؤں کی قوت سے معبد کے باغوں کو تر و تازہ رکھتا تھا لیکن جب وہ بوڑھا ھو گیا ، جب سالہاسال کی مشقت نے اس کی طاقت کو سلب کر لیا اور اسے امراض نے گھیر لیا تو انھوں نے میرے خاوند کو یہ کہہ کر ملازمت سے بر طرف کر دیا کہ معبد تمھارا محتاج نہیں ھے اب چلے جاؤ اور جب تمھارے بیٹے جوان ھو جائیں تو انھیں یہاں بھیج دو تاکہ وہ تمھارے جانشین

بنیں - میرے خاوند نے ان کے سامنے بہت گریہ و زاری کی اور یسوع مسیح کا واسطہ دے کر رحم چاہا اور انھیں فرشتوں اور مسیح کے حواریوں کی قسمیں دیں لیکن آنھوں نے رحم نہ کیا، نہ اس پر مہربانی کی نہ مجھ پر اور میرے بچوں پر -

" میرا خاوند شہر میں گیا تاکہ کوئی نوکری تلاش کرے لیکن ناکام واپس آیا ,کیونکہ ان محلات کے رہنے والے صرف جوان آدمیوں کو ملازم رکھتے ہیں - اس کے بعد وہ سڑک پر بیٹھ گیا تاکہ لوگوں سے بخشیش حاصل کرے لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی - لوگ کہتے تھے کہ صدقہ ایسے حرام ہڈ آدمیوں کے لیے جائز نہیں -

" حتیٰ کہ ایک ایسی رات آ پہنچی کہ ہمارے بچے بھوک کے مارے زمین پر تڑپ رہے تھے - میرا شیرخوار بچہ میرے پستانوں کو چوستا تھا لیکن ان میں دودھ موجود نہ تھا - یہ نظارہ دیکھ کر میرے خاوند کا چہرہ متغیر ہوگیا - وہ تاریکی کے پردہ میں چھپ کر نکلا اور معبد کے توشہ خانہ میں جا داخل ہؤا جہاں راہب غلہ اور شراب جمع رکھتے ہیں - میرے خاوند نے غلہ کی ایک زنبیل بھر کر اپنے کندھے پر آٹھائی اور باہر نکلنا چاہا لیکن ابھی چند گز گیا تھا کہ چوکیدار جاگ آٹھے اور انھوں نے غریب کو پکڑ لیا - گالیوں اور مار پیٹ سے اسے خوب نوازا اور جب صبح ہوئی تو یہ کہہ کہ پولیس کے حوالے' کر دیا کہ یہ چور ہے جو معبد کے طلائی برتن چرانے آیا تھا -

" پولیس نے اسے قید خانے میں دھکیل دیا - اس کے بعد اسے

اس درخت سے لٹکا دیا گیا تاکہ گدھ اس کے گوشت سے اپنا پیٹ بھریں ، کیونکہ اس نے اس بات کی کوشش کی تھی کہ اس کے بھوکے بچے اس غلہ سے اپنا پیٹ بھریں جو اس نے اپنے بازوؤں کی طاقت کے ان دنوں میں جمع کیا تھا جب کہ وہ معبد کا ملازم تھا ۔“

یہ کہنے کے بعد غریب عورت چلی گئی لیکن اس کی باتوں نے تمام گرد و نواح کو مغموم کر دیا تھا ۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس کے منہ سے دھوئیں کے بادل نکل کر ہوا میں فضائے الم پیدا کر رہے ہیں ۔

میں ان قبروں کے پاس کھڑا رہا جن کی مٹی کے ذروں سے فریادیں نکل رہی تھیں ۔ میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ اگر ان کھیت کے درختوں سے میرے دل کا شعلہ چھو جائے تو یہ حرکت میں آجائیں اور اپنی جگہ چھوڑ کر امیر اور اس کے سپاہیوں سے جنگ کریں اور کلیسا کی دیواروں کو منہدم کر کے رہبانوں کے سر پر گرا دیں ۔

میں ان نئی قبروں کی طرف دیکھ رہا تھا اور میری نگاہوں سے ہمدردی کی شیرینی اور غم و الم کی تلخی نکل رہی تھی ۔ یہ ایک نوجوان کی قبر ہے جس نے اپنی زندگی کو ایک کمزور عورت کی ناموس بچانے کے لیے قربان کر دیا ۔ اس نے عورت کو بھیڑیے کے دانتوں سے چھڑا لیا اور اس شجاعت کے لیے اس کی گردن آڑا دی گئی ۔ اس عورت نے اپنے نجات دہندہ کی قبر پر تلوار گاڑ دی ہے جو نوجوان کی بہادری کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ یہ قبر اس نوجوان عورت کی ہے جو قبل اس کے کہ اس

کے وجود کو غصب کر لیا جائے ، محبت کی پتلی تھی ۔ اسے سنگ سار کر دیا گیا کیونکہ وہ مرتے دم تک پاک رہی ۔ اس کے حبیب نے اس کی قبر پر پھولوں کا گلدستہ رکھ دیا ہے جو خوشبوئے محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اور یہ اس بدبخت مفلس کی قبر ہے جس کے بازوؤں میں طاقت تھی تو کلیسا کی زمینوں میں کھیتی باڑی کرتا رہا لیکن جب اس میں قوت نہ رہی تو اسے نکال دیا گیا ۔ وہ کام کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالنا چاہتا تھا لیکن کام نہ ملتا تھا ۔ پھر اس نے گداگری اختیار کی لیکن کسی نے اسے بھیک بھی نہ دی ۔ آخرکار جب اس کی مایوسی حد سے بڑھ گئی تو اس نے اس غلہ میں سے تھوڑا سا اٹھانا چاہا جو اس نے اپنے ماتھے کا پسینہ بہا کر اور محنت کر کے جمع کیا تھا ۔ اسے پکڑ لیا گیا اور اس کی جان لے لی گئی ۔ اس کی بیوی نے اس کی قبر پر صلیب بنا دی ہے تاکہ رات کے سکون میں آسمان کے ستارے رہبانوں کے ظلم کو دیکھیں جو مسیح کی تعلیم پھیلانے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن تلواروں سے مسکینوں اور ضعیفوں کی گردنیں اڑاتے ہیں ۔

آفتاب شفق کے پیچھے چھپ رہا تھا گویا وہ انسانوں کے ظلم و ستم سے اکتا گیا ہے اور ان سے نفرت کرتا ہے ۔ شام دنیا کو اپنی نقاب میں لے رہی تھی ۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا اور قبروں کے اسرار پر ہاتھ ملتے ہوئے بلند آواز سے کہا : ” یہ ہے تمہاری تلوار ، اے مرد شجاع ! جو زمین میں گڑی ہے ۔ یہ ہیں تمہارے پھول ، اے عورت ! جن سے محبت کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور یہ ہے تمہاری صلیب ، اے مسیح ناصری ! جو رات کے اندھیرے میں چھپ رہی ہے ۔“

گلبدن

اُس انسان کی تباہی کا اندازہ کرو جو کسی دوشیزہ کے عشق میں گرفتار ہو کر اسے اپنی رفیقۂ حیات بنا لے ۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اور اپنے جگر کا خون اس کے قدموں پر نثار اور اپنی محنتوں کا ثمر اور اپنی کوششوں کا حاصل اپنی جیب سے ضائع کر دے ۔ پھر اسے دفعتاً یہ معلوم ہو جائے کہ اس عورت نے جسے اس نے دنوں کے مجاہدے اور راتوں کی بیداری سے حاصل کیا تھا اپنا دل کسی دوسرے کو دے دیا ہے تاکہ اس کے مال و زر سے فائدہ اٹھائے اور اس کی دنیائے محبت آباد کرے ۔

پھر اس عورت کی بربادی کو دیکھو جس نے جوانی کے نشہ سے دفعتاً ہوش میں آ کر اپنے آپ کو ایک مرد کے حوالے کر دیا ہو ؛ اس کے مال و دولت سے گلچھرے اڑائے ہوں ، اس کی محبت و تکریم سے تمتع حاصل کیا ہو لیکن اس کے اپنے دل کو محبت کے شعلے نے چھوا تک نہ ہو اور وہ اپنی روح کو اس آسمانی شراب سے سیر نہ کر سکتی ہو جو مرد کی آنکھوں سے نکل کر عورت کے دل میں ٹپکتی ہے ۔

میں رشید بک نعمان کو ایک مدت سے جانتا تھا ۔ وہ لبنانی الاصل تھا اور بیروت میں پیدا ہؤا تھا ۔ وہ ایک قدیم متمول گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جس میں پرانی روایات اب تک محفوظ تھیں ۔ وہ اپنے آبا و اجداد کے اُن حالات کو بیان

کرنے میں بڑا فخر محسوس کرتا تھا جن سے خاندان کی شرافت و نجابت ظاہر ہو - وہ طرز زندگی اور عقائد میں اپنے بزرگوں کی تقلید کرتا تھا - البتہ عادات اور لباس میں اس نے اپنے تقلیدی رویہ میں تصرف کر لیا تھا اور مغربی لباس کا دلدادہ تھا - اس کے خاندان کی عورتیں پر تکلف مغربی لباس میں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے فضا میں پرندوں کے غول -

رشید بک نیک دل اور خوش اخلاق آدمی تھا لیکن اسی طرح تھا ، جس طرح اکثر شامی اشیا کو صرف ظاہر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے باطن کا خیال نہیں کرتے - وہ نغمہ کی حقیقت سے آشنا ہونے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان آوازوں سے لطف اندوز ہو کر رہ جاتے ہیں جو نغمہ کے گرد محیط ہوں - وہ اپنی توجہات ان ظاہری اشیا پر مرکوز رکھتے ہیں جو اسرار حیات سے چشم بصیرت کو اندھا کر دیتی ہیں اور اشیا کے راز ہائے خفی کے جاننے کی بجائے اپنے آپ کو وقتی لذتوں کے لیے وقف کر دیتے ہیں - رشید بک ان آدمیوں میں سے تھا جو اظہار محبت میں یا اشیا و اشخاص کے متعلق اندازہ میں عجلت سے کام لیتے ہیں اور اس کے بعد اپنی جلد بازی پر نادم ہوتے ہیں - لیکن یہ احساس انھیں اس وقت ہوتا ہے جب وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ندامت ، عفو و بخشش کی بجائے مضحکہ اور استہزا کا باعث ہوتی ہے -

یہ وہ صفات و عادات تھیں جنھوں نے رشید بک کو گلبدن کے عشق میں مبتلا کر دیا - اس نے گلبدن سے اس وقت سے پہلے ہی شادی کر لی کہ دونوں کے دل مل جاتے اور

اس حقیقی محبت کا آغاز ہو جاتا جو خانہ داری کی زندگی کو جنت بنا دیتی ہے۔

میں چند سال بیروت سے باہر رہا۔ اور جب واپس آیا تو رشید بک کی ملاقات کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ رشید کا جسم کمزور ہو گیا ہے، رنگ متغیر ہو چکا ہے اور اس کے چہرے سے رنج و ملال کے آثار نمایاں ہیں۔ اور اس کی غمزدہ آنکھیں اور اداس نظریں اس کے دل کی پامالی اور سینے کی ظلمت کا حال خاموش زبان سے بیان کر رہی ہیں۔ چونکہ بظاہر مجھے اس کی تکلیف کے کوئی اسباب نظر نہ آتے تھے، اس لیے میں نے سوال کیا :—

" اے شخص تمھیں کیا تکلیف ہے ؟ وہ بشاشت کیا ہوئی جو تمھارے چہرے سے شعاعوں کی طرح نکلتی تھی۔ اور وہ سرور کہاں گیا جو تمھاری جوانی کا جزو لازم تھا ؟ کیا موت نے تمھارے کسی عزیز دوست کے اور تمھارے درمیان فاصلہ حائل کر دیا ہے یا تاریک راتوں نے تمھارا مال و زر چھین لیا ہے جو تم نے روشن دنوں میں جمع کیا تھا ؟ دوستی کا واسطہ ! بتاؤ تو سہی کون سی بلا تم سے بغلگیر ہے۔"

رشید نے متاسف نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور ان الفاظ پر غور کیا جو میں نے اس کے اچھے دنوں کے متعلق کہے تھے۔ پھر آنکھیں بند کر لیں اور یاس و قنوط سے بھری ہوئی آواز سے بولا :—

" اگر تمھارا کوئی عزیز مر جائے اور تم اپنے اردگرد دیکھو کہ کئی دوسرے دوست موجود ہیں تو تم صبر اختیار کر لو

گے ۔ اگر تمھارا مالی نقصان ہو جائے اور تم اس بات کو سوچو کہ جس طرح یہ مال آیا تھا اسی طرح اور بھی آ جائے گا تو تم اس توقع کی خوشی میں نقصان کو بھول جاؤ گے ۔ لیکن اگر انسان کی راحت دل ضائع ہو جائے تو اسے کہاں پا سکتا ہے ؟ اور اس کا بدل اسے کہاں مل سکتا ہے ؟ موت اپنا ہاتھ بڑھائے گی اور تمھیں اپنے ظالم ہاتھوں سے جھنجھوڑے گی لیکن تم مر نہیں سکو گے، حتیٰ کہ حیات تازہ کی انگلیاں تمھیں چھو کر تمھارے چہرے پر فرحت و تبسم کے آثار پیدا کر دیں گی ۔ پھر غفلت کے لمحوں میں زمانہ اپنی خوفناک آنکھیں تمھاری آنکھوں میں ڈال کر تمھاری گردن دبوچ لے گا اور بڑی سخت دلی سے تمھیں زمین پر پچھاڑ کر اپنے آہنی پاؤں سے تمھیں پامال کر کر دے گا اور تم پر ہنستا ہوا چلا جائے گا ۔ کچھ عرصے کے بعد وہ نادم ہو کر واپس آئے گا ، اپنے ملائم ہاتھوں سے تمھیں اٹھائے گا اور امیدوں کے نغمے گا کر تمھیں مضطرب کر دے گا ۔ خیالات شب کے ساتھ بے پایاں مصیبتیں اور کلفتیں تمھارے سامنے آئیں گی اور صبح ہونے تک تمھیں مضمحل رکھیں گی ۔ تم اپنے عزم و استقلال سے واقف ہو اور توقعات میں الجھے رہو گے ۔

" لیکن اگر تمھارے نصیب میں یہ لکھا ہو کہ تمھارے وجود سے وہ شے پرواز کر جائے جس سے تم محبت کرتے ہو ، جسے تم کھانے کے لیے دل کے ٹکڑے اور پینے کے لیے آنکھوں کا نور دیتے رہے ہو ، جسے تم نے اپنے دل میں جگہ دے رکھی ہو اور جس کی غذا تمھارے پارہ ہائے جگر ہوں تو

تمھارا کیا حال ہو ؟ جب تم یہ دیکھو کہ تمھاری چڑیا تمھارے ہاتھ سے نکل کر پرواز کر گئی ہے اور بادلوں تک جا پہنچی ہے ، پھر نیچے اُتری ہے اور کسی دوسرے پنجرے میں جا بیٹھی ہے اور اس کی واپسی کی کوئی اُمید نہیں تو پھر تم کیا کرو گے ؟ خدا کے لیے بتاؤ کہ پھر تم کیا کر سکو گے ؟ صبر و سکون تمھیں کس طرح حاصل ہوگا اور تمھاری اُمیدیں کیونکر زندہ رہ سکیں گی ؟''

رشید بک نے آخری کلمات اس طرح کہے گویا اس کا دم گھٹ رہا ہے ۔ وہ دفعتاً کھڑا ہو گیا اور اس طرح کانپنے لگا جس طرح ہوا کے جھونکے سے تنکا لرزتا ہے ۔ اس نے اپنے ہاتھ سامنے کی طرف اس طرح پھیلائے گویا اپنی ٹیڑھی اُنگلیوں سے کسی چیز کو پکڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا ہے ۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر رہا تھا اور اس کے پُر غضب چہرے کا رنگ سرخ ہو رہا تھا ۔ آنکھیں باہر نکلی جا رہی تھیں اور پپوٹے پھڑک رہے تھے ۔ اس نے ایک چکر لگایا گویا وہ اپنے سامنے اژدھے کو دیکھ رہا ہے جو اسے نگل جانا چاہتا ہے ۔ اس کے بعد اُس نے میری طرف دیکھا اور اس کے چہرے کا رنگ فوراً اپنی اصلی حالت پر آ گیا ۔ اس کا جوش و غضب ، درد و الم میں منتقل ہو گیا اور اس نے روتے ہوئے کہا :—

” وہ عورت ہے ۔ ہاں وہ عورت جسے میں نے مفلسی اور غلامی کے گڑھے سے نکال کر اس کے سامنے خزانوں کے منہ کھول دیے اور اسے اس قابل بنا دیا کہ اس کے قیمتی لباس ،

اس کے دلفریب حسن اور خدم و حشم پر عورتیں حسد کریں ۔ وہ عورت جسے میرا دل پیار کرتا تھا اور جس کے قدموں پر میں نے اپنی محبت و عاطفت نثار کر دی اور اسے اپنے جود و کرم سے سرفراز کیا ۔ وہ عورت کہ میں جس کا وفادار رفیق ، سچا دوست اور امین خاوند تھا ۔ یہ عورت خائن اور باغی ثابت ہوئی اور اب مفلسی کی ذلتوں میں زندگی بسر کرنے کے لیے ایک دوسرے شخص کے پاس چلی گئی ہے ۔ وہ عورت جس کا میں عاشق تھا ، وہ خوبصورت چڑیا جسے میں نے اپنے پارہ ہائے دل کھلائے ، آنکھوں کی پتلیوں کا نور پلایا ، اپنے سینے کو اس کا قفس بنایا اور لخت جگر کھانے کو دیا ۔ یہ چڑیا میرے ہاتھوں سے نکل گئی ہے اور اڑ کر دوسرے قفس میں چلی گئی ہے جو جھڑ بیری کی تیلیوں کا بنا ہؤا ہے ، جس میں کھانے کے لیے کانٹے اور کیڑے مکوڑے اور پینے کے لیے زہر اور حنظل ہیں ۔ وہ پاک فرشتہ ، جس نے میرا فردوس عشق آباد کیا ، خوفناک شیطان کی صورت اختیار کر گیا اور تاریکی میں جا پھنسا تاکہ اس کے گناہ اور اس کی سیاہ کاریاں مجھے عذاب میں مبتلا کر دیں ۔‘‘

رشید بک خاموش ہو گیا اور اس نے ذرا دم لینے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا ۔ اس کے بعد پھر بولا :—

’’ میں بس اسی قدر کہتا ہوں ، اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھو ۔ اور میرے مصائب پر فریاد نہ کرو بلکہ گونگے بن کر مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ۔ شاید سکون میرے لیے مفید ثابت ہو ۔‘‘

میں اپنی جگہ سے اٹھا ، میری آنکھیں پُرنم تھیں اور ہمدردی کے جذبہ سے میرا دل لبریز ہو گیا تھا - بہر حال میں خاموشی کے ساتھ اس طرح رخصت ہو گیا گویا اس کی باتیں بے معنی تھیں - اس کا مجروح دل مصروف ماتم تھا اور قدرت کو منظور نہ تھا کہ کوئی شعلہ اس کے دل کی تاریکیوں کو منور کرے -

کچھ دنوں کے بعد میں نے گلبدن سے ایک چھوٹے سے مکان میں ملاقات کی جو درختوں اور پھولوں سے گھرا ہؤا تھا - گلبدن جب رشید بک نعمان کے گھر میں تھی تو اس نے میرا نام سن رکھا تھا - آہ وہ انسان جس کا دل پامال ہو چکا تھا اور جو زندگی کے تاریک غاروں میں ٹھوکریں کھا کھا کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا -

میں نے جب گلبدن کی نورانی آنکھیں دیکھیں اور اس کی دلکش آواز کا نغمہ سنا تو اپنے دل میں کہا : " کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ عورت شریر ہو ؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ یہ شفاف چہرہ ایک ذلیل نفس اور مجرم دل کی پردہ داری کر رہا ہو ؟ کیا یہی وہ عورت ہے جسے میں نے متعدد بار چشم تصور میں دیکھا ہے کہ وہ خوبصورت پرندے کی شکل میں ایک خوبصورت ناگن ہے ؟ "

لیکن میں نے ان خیالات کو ترک کر دیا اور اپنے دل سے یوں سرگوشی کی :—

" جس چیز نے اس بد بخت انسان کو تباہ کیا ہے ، کیا وہ یہی خوبصورت چہرہ نہیں ہو سکتا ؟ اور کیا ہم نے دیکھا سنا نہیں کہ ظاہری محاسن باطنی ہلاکتوں اور گہرے غموں کا

باعث ہو جاتے ہیں ؟ کیا وہی چاند جو شاعروں کی نازک خیالیوں میں نور افشاں ہوتا ہے ، سمندر میں مد و جزر پیدا کرکے طوفان کا باعث نہیں بن جاتا ؟''

ہم دونوں بیٹھ گئے اور گلبدن نے اس طرح ، گویا اسے میری فکرمندی کا علم ہے ، یہ نہ چاہا کہ میری حیرانیوں اور میرے شبہات کے درمیان جو جنگ جاری ہے طول کھینچے ۔ چنانچہ اس نے اپنے حسین سر کو گورے ہاتھ سے سہارا دے لیا اور نغمہ کی سی دلکش آواز سے بولی :—

''جناب! اس سے پہلے میری آپ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی ۔ لیکن آپ کے افکار و خیالات کا حال لوگوں کی زبانی سن چکی ہوں ۔ میں جانتی ہوں کہ آپ مظلوم طبقۂ نسواں کے شفیق ہیں ، ان کی کمزوریوں سے آپ کو ہمدردی ہے اور ان کے عواطف و اعیال سے آپ باخبر ہیں ۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ اپنے دل کا حال آپ کو سناؤں اور اپنا سینہ کھول کر آپ کے سامنے رکھ دوں تاکہ آپ میری مصیبتوں کو دیکھ سکیں اور لوگوں کو بتا سکیں کہ گلبدن خائن یا شریر عورت نہیں ۔

'' میری عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ قضا و قدر نے میری قسمت کو رشید بک نعمان سے وابستہ کر دیا ۔ اس کی عمر اس وقت قریباً چالیس سال کی تھی ۔ اس نے محبت کی پینگیں بڑھائیں اور بالآخر مجھے اپنی زوجہ اور اپنے شاندار گھر کی مالکہ بنا لیا ۔ میرے ارد گرد نوکروں چاکروں کی کثیر تعداد تھی ۔ اس نے مجھے بیش قیمت ریشمی لباس پہنائے ۔ میرے سر ، باہوں اور گردن کو جواہرات سے مزین کیا اور مجھے ایک تحفے کے

طور پر اپنے دوست آشناؤں کے مکانوں پر لیے پھرا ۔ اس کے لبوں پر فوز و نصرت کا تبسم رقص کرتا تھا ۔ وہ استعجاب و واستحسان کی نظر سے میری طرف دیکھتا تھا ۔ اور جب عورتیں میرے حسن اور فیشن کی تعریف کرتی تھیں تو اس کا سر افتخار سے اونچا ہو جاتا تھا ۔ لیکن شاید وہ عورتوں کی سرگوشیوں کو نہیں سنتا تھا جو وہ اکثر کرتی تھیں ۔ ایک کہتی : ' یہ رشید بک کی بیوی ھے یا بیٹی ۔' دوسری کہتی : ' اگر رشید بک جوانی کے ایام میں شادی کرتا تو اس کی بیٹی کی عمر گلبدن سے زیادہ ھوتی ۔'

" یہ سب کچھ اس وقت ھؤا جب کہ میں ابھی زندگی کے راز سے واقف نہیں ھوئی تھی ، میرے دل میں ابھی محبت کا مقدس شعلہ نہیں سرسرایا تھا اور میرے سینے میں عواطف و امیال کا بیج نہیں بویا گیا تھا ۔ ھاں یہ سب کچھ اس وقت ھؤا جب کہ میں انتہائے سعادت خوبصورت لباس اور بیش قیمت سمور کو سمجھتی تھی ، جن میں میں لپٹی رھتی تھی اور جب کہ میں ابھی بیدار نہیں ھوئی تھی —— لیکن جب میں بیدار ھوئی اور نور نے میرے دل کے خلا کو بھر دیا اور مقدس آگ نے میرے سینے میں ایک جلن سی پیدا کر دی تو میری روح درد محسوس کرنے لگی —— جب میں بیدار ھوئی تو میں نے دیکھا کہ میرے پر دائیں بائیں حرکت کر رھے ھیں اور مجھے اڑا کر آسمان محبت کی طرف لے جانا چاھتے ھیں ۔ لیکن میں نے جب اپنے آپ کو اس قانون کی ان زنجیروں میں مقید دیکھا ، جنھوں نے میرے جسم کو ان قیود اور اس قانون کو سمجھنے سے پہلے ھی جکڑ لیا تھا تو

میں کانپ اٹھی - جب میں بیدار ہوئی اور ان اشیا سے واقف ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ عورت کی سعادت، مرد کی نجابت، عظمت اور حلم و کرم میں نہیں بلکہ اس محبت میں ہے جو اس کی روح کو مرد کی روح میں جذب کر دیتی ہے اور اس کی محبت کو مرد کے جگر میں پیوستہ کر کے دونوں کو دو جسم اور ایک جان کر دیتی ہے - جب یہ دردناک حقیقت مجھ پر آشکار ہوئی تو میں نے دیکھا کہ میں رشید نعمان کے گھر میں ایک چور کی مانند ہوں - میں اس کی روٹی کھاتی ہوں اور رات کی تاریکی میں غائب ہو جاتی ہوں - میں نے سمجھ لیا کہ میں جو ہر روز اس کی صحبت میں گزارتی ہوں، یہ ایسا جھوٹ ہے جو میرے ماتھے پر ریاکاری کے آتشیں حروف میں لکھا ہے اور آسمان و زمین اسے دیکھ رہے ہیں - میں نے سمجھ لیا کہ میں اس کے لطف و کرم کے عوض اس سے دلی محبت نہیں کر سکتی اور نہ اس کے اخلاص و محبت کے بدلے میں اپنی محبت دے سکتی ہوں - میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور غلط خیال پیدا ہوا کہ میں اس سے محبت کرنا سیکھوں - میں اس سے محبت کرنا نہ سیکھ سکی کیونکہ محبت ایک ایسی قوت ہے جسے دل نہیں اپنا سکتے بلکہ یہ دلوں کو اپناتی ہے - میں نے خدا سے دعا کی، اس کے حضور گڑگڑائی اور رات کی خاموشیوں میں آسمان کے آگے بے سود استدعا کی: 'اے فلک! میری روح کو اس مرد کی روح سے ملا دے، جسے میں نے اپنا رفیق حیات بنایا ہے -' لیکن آسمان نے ایسا نہ کیا کیونکہ محبت ہماری روحوں پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے - مانگے سے نہیں ملتی -

" میں اسی طرح اس شخص کے گھر میں پورے دو سال تک گریہ و زاری کرتی رہی ۔ میں چڑیوں کی آزادی پر حسد کرتی تھی اور میری ہم جنسیں میرے قید خانے پر حسد کرتی تھیں ۔ میں شب و روز مصروف بکا رہتی تھی اور ہر روز کی بھوک اور پیاس سے مری جاتی تھی ۔ آخر ان تاریک ایام میں ایک روز مجھے تاریکی کے پیچھے روشنی کی لطیف شعاع نظر آئی جو میری آنکھ سے نکل رہی تھی ۔ میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان زندگی کی رو میں اکیلا بہا جا رہا ہے اور اس مکان میں کتابوں اور کاغذوں کے درمیان تنہا زندگی گزار رہا ہے ۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ میں اس شعاع کو نہ دیکھ سکوں ۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ تیری قسمت میں تو قبر کی تاریکی لکھی ہے پھر تو نور کا لالچ کس لیے کرتی ہے ؟ اس کے بعد میں نے عالم علوی کا ایک نغمہ سنا جس کی دلکشی نے مجھے تڑپا دیا ۔ میں نے اپنے کان بند کر لیے اور اپنے آپ سے کہا کہ تیرے نصیب میں تو آہ وزاری لکھی ہے ، پھر تو نغموں کی طمع کس لیے کرتی ہے ؟ میں نے اپنے کانوں کو بند کر لیا تاکہ میں نغمے کو نہ سن سکوں لیکن میری آنکھیں اس شعاع کو دیکھتی اور میرے کان اس نغمے کو سنتے رہے ۔ میں خوف سے کانپنے لگی ۔ اس فقیر کی طرح جو کسی امیر کے محل کے پاس ہیرا پڑا پائے لیکن نہ اسے اٹھا سکے نہ چھوڑ سکے ۔ میں نے رونا شروع کر دیا ۔ میں مصائب میں گھری ہوئی تھی ۔ آخر میں انتظار و بے قراری کے صدمے سے زمین پر گر پڑی ۔"

یہاں گلبدن ایک لمحے کے لیے رک گئی اور اس نے اپنی

بڑی بڑی آنکھیں بند کر لیں گویا زمانۂ ماضی کا وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ہے اور وہ میری آنکھوں سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہیں کر سکتی ۔ اس کے بعد اس نے آنکھیں کھول لیں اور کہا :—

” وہ انسان جو ابدی دنیا سے آتے ہیں اور حقیقی زندگی سے آشنا ہوئے بغیر واپس چلے جاتے ہیں ۔ وہ اس عورت کے درد سے واقف نہیں ہو سکتے جس کے ایک طرف وہ مرد ہے جس کی محبت اسے آسمان کی طرف سے عطا کی گئی ہے اور دوسری طرف وہ مرد جس کے ساتھ وہ ارضی شریعت کے ماتحت وابستہ ہے ۔ یہ ایک دردناک کہانی ہے جو عورت اور خون اور آنسوؤں سے لکھی جاتی ہے اور جسے پڑھ کر مرد ہنستے ہیں کیونکہ وہ اسے سمجھ نہیں سکتے ۔ اور اگر سمجھ بھی لیں تو ان کی ہنسی ظلم و سنگ دلی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ جوش سے بے آپے ہو کر عورت کے سر پر برس پڑتے ہیں اور اس کے کانوں کو لعنت و ملامت سے بھر دیتے ہیں ۔

” یہ ایک دردناک داستان ہے ، جس کا ڈراما رات کی تاریکیوں میں ہر اس عورت کے سینے میں ہوتا ہے جس کا جسم ، قبل اس کے کہ وہ شادی کی حقیقت سے آگاہ ہو ، کسی مرد کے حلقۂ زوجیت میں قید ہو جاتا ہے ۔ وہ اپنی روح کو کسی دوسرے مرد کے لیے تڑپتے دیکھتی ہے جس سے وہ صحیح معنوں میں محبت کرتی ہے ۔ یہ ایک خوفناک نزاع ہے جس کی ابتدا نسوانی کمزوری کے ظہور سے ہوتی ہے اور انتہا اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ ضعف کو قوت کی غلامی

سے نجات نہ مل جائے ۔ انسانوں کی فاسد شریعت اور دل کے مقدس عواطف کے درمیان یہ ایک مہلک جنگ ہے ۔ وہی مقدس عواطف جن کے لیے میں کل تک زمین پر پڑی موت کی طلبگار تھی اور خون کے آنسو روتی تھی ۔

" لیکن میں اٹھی اور اپنے آپ کو اپنی ہم جنسوں کی حماقت سے پاک ، اپنے پروں کو ضعف و غلامی کے پھندوں سے آزاد کر لیا اور محبت و آزادی کی فضا میں پرواز کرنے لگی ۔ اب میں نیک بخت ہوں ، کیونکہ مجھے اس مرد کا قرب حاصل ہے جس کے دل سے محبت کا شعلہ میری طرف لپکا تھا ۔ اب اس دنیا میں کوئی قوت نہیں جو میری اس خوش بختی کو مجھ سے چھین سکے ، کیونکہ ہماری روحیں مفاہمت و محبت کے رشتہ میں منسلک ہو چکی ہیں ۔"

گلبدن نے میری طرف پُر معنی نگاہوں سے دیکھا گویا چاہتی ہے کہ اپنی آنکھوں سے میرے باطن کو دیکھ کر معلوم کرے کہ میرے جذبات پر اس کے کلام کی کیا تاثیر ہوئی ہے اور وہ میری پسلیوں میں سے کوئی آواز سننا چاہتی ہے ۔ لیکن میں خاموش رہا مبادا میں اس کے سلسلۂ کلام میں رکاوٹ پیدا کر دوں ۔ گلبدن نے اپنی بات جاری رکھی ۔ اس کی آواز میں بیان کی دلآویزی اور اخلاص و حریت کی شیرینی تھی ۔ اس نے کہا :—

" لوگ آپ سے کہیں گے کہ گلبدن خائن اور بے وفا عورت ہے ، جس نے نفسانی خواہشوں کی پیروی کی ۔ اور جو اس شخص کو چھوڑ کر چلی گئی ، جس نے اس کا رتبہ بلند کیا

اور اپنے گھر کی مالکہ بنایا ۔ لوگ آپ سے کہیں گے کہ گلبدن زانیہ ہے ، جس نے شادی کے مقدس اور مذہبی آئین کو توڑا اور اس کی بجائے ایک ایسے پنجرے میں چلی گئی جو جہنم کے کانٹوں سے بنا ہؤا ہے ۔ اس نے اپنا لباس فضیلت آتار پھینکا ہے اور معصیت و عار کا لباس پہن کر مرتد ہو گئی ہے ۔ وہ آپ سے کہیں گے کہ گلبدن نے حیا کا جامہ تار تار کر دیا ہے لیکن یہ لوگ خالی غاروں کی طرح ہیں جو آوازوں کو لوٹا تو دیتے ہیں لیکن ان کے معنی نہیں سمجھتے ۔ وہ مخلوق کی خدائی شریعت سے آشنا نہیں ، اور دین کے حقیقی مفاد کو نہیں سمجھتے ۔ وہ نہیں جانتے کہ خطا کار انسان کون ہے اور بے خطا کون ۔ وہ اپنی کوتاہ بینی سے صرف اعمال کی ظاہریت کو دیکھتے ہیں اور اس کے اسرار پر نگاہ نہیں ڈالتے ۔ وہ جہالت کے ساتھ فیصلہ اور یکسانیت کے ساتھ فتویٰ صادر کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک صالح اور شریر برابر ہیں ۔ وائے بد بختی ان لوگوں کی جن کا یہ فیصلہ کرتے ہیں ، اور وائے بد بختی ان اشخاص کی ، جن کے حق میں یہ فتویٰ صادر کرتے ہیں ۔

”میں اگر زانیہ اور خائنہ تھی تو رشید نعمان کے گھر میں ، جس نے قبل اس کے کہ قدرت مجھے روح اور محبت کے متعلق سلیقہ سکھاتی ، رسوم و تقلیدات کے ماتحت مجھے اپنی بیوی بنا لیا ۔ میں وہاں اپنی نظر میں بھی ذلیل اور پست تھی اور خدا کی نظر میں بھی ۔ کیونکہ میں خیرات کا ٹکڑا کھاتی تھی اور اپنے جسم سے اس کی ہوس کو سیر کرتی تھی لیکن اب میں پاکباز ہوں ، کیونکہ ناموس محبت نے مجھے آزاد کر دیا ہے ۔ میں اب شریف اور امین ہوں ، کیونکہ میں نے اپنے جسم کو

روٹی اور زندگی کو لباس کے عوض فروخت کرنا چھوڑ دیا ہے ۔ ہاں میں اس وقت زانیہ اور مجرمہ تھی لیکن لوگ مجھے پُرعظمت بیوی سمجھتے تھے ۔ اور آج میں شریف اور پاکباز ہوں لیکن لوگ مجھے ذلیل اور کمینہ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں کی ذات کے متعلق ان کے جسموں کے لحاظ سے رائے قائم کرتے ہیں اور روح کو مادہ کی ترازو میں تولتے ہیں ۔"

گلبدن کھڑکی کے قریب ہو گئی اور اس نے اپنی دائیں جانب ، شہر کی طرف اشارہ کیا ۔ اس کی آواز پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی اور اس نے ایسی نفرت و حقارت کے لہجہ میں گویا اسے گزرگاہوں میں ، چھتوں پر اور کھڑکیوں میں انحطاط و مفاسد کی پرچھائیں نظر آ رہی ہیں ، کہا :—

" دیکھو ! اس عالی شان اور بلند محل کی دیواروں پر کشیدہ کاری کے ریشمی پردے خیانت اور ریاکاری کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ اس کی چھتیں سنہری نقش و نگار سے آراستہ ہیں ، لیکن ان کے نیچے تصنع کے پہلو میں کذب مقیم ہے ۔ ان لڑکیوں کو دیکھو جن سے بظاہر شرافت و سعادت نمایاں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر معصیت ، شقاوت اور تباہی پوشیدہ ہے ۔ یہ کلس دار قبریں ہیں جن میں آنکھوں کے سرمہ اور ہونٹوں کی سرخی کی تہ میں جنس لطیف کا مکر و فریب پنہاں ہے اور اس کے گوشوں میں مردوں کی انانیت اور حیوانیت سیم و زر کی چمک دمک بن کر جلوہ گر ہے ۔ اس رفیع الشان قصر کی دیواریں فخر و کبر سے آسمان تک پہنچ رہی ہیں لیکن اگر انہیں اس مکر و ریاکاری کا علم ہو جو ان پر چھائے

ہوئے ہیں تو وہ پھٹ جائیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہیں۔ یہ وہ مکانات ہیں کہ ایک دیہاتی ان کی طرف پر نم آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن اگر اُسے یہ معلوم ہو جائے کہ ان مکانوں کے ساکنوں میں اس حقیقی محبت کا ایک ذرہ بھی موجود نہیں جس سے اس کی رفیقۂ حیات کا سینہ پُر ہے تو اسے ان کی حالت پر رحم آ جائے۔"

گلبدن نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کھڑکی کے قریب لے گئی جہاں سے یہ محل اور قصر بخوبی نظر آ رہے تھے، اور کہا :—

" میں تمھیں ان لوگوں کے راز بتاؤں جن کی مثال بننا تم ہرگز پسند نہ کرو گے۔ اس محل کی طرف دیکھو جس کے ستون سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں، جس کے چھجے پیتل کے ہیں اور جس کی کھڑکیاں بلوری ہیں۔ اس محل میں ایک دولت‌مند آدمی رہتا ہے، جس نے مال و دولت کو اپنے کنجوس باپ سے ورثے میں پایا ہے۔ دو سال ہوئے اس نے ایک عورت سے شادی کی تھی، جس کے متعلق اس سے زیادہ اُسے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس کا باپ موروثی شرافت کا حامل ہے، جس کا مرتبہ شرفائے شہر میں بہت بلند ہے۔ شادی کے بعد ابھی ماہ عسل بھی ختم نہ ہؤا تھا کہ اس نے اپنی بیوی کو تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا اور ہوس پرست لڑکیوں کے ساتھ گلچھرے اُڑانے لگا۔ اُس نے اس بے چاری کو اُس محل میں اس طرح چھوڑ دیا جیسے میخوار شراب کی خالی صراحی کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ عورت گریہ و زاری کرتی رہی اور غم و غصہ کے

درد جانکاہ میں مبتلا رہی لیکن جب اسے اپنی غلطی کا ھؤا تو اس نے صبر اختیار کر لیا ۔ وہ جان گئی کہ اس کے اشک اس سے زیادہ قیمتی ھیں کہ اس کے خاوند جیسے انسان کے خسارہ پر بہائے جائیں ۔ اب یہ عورت ایک نوجوان اور حسین آدمی کے عشق میں مبتلا ھے ۔ اس کی محبت سے اس کا دل مسرور ھے ۔ اور وہ اپنے خاوند کے زر و مال سے جو اس کے گرد بکھرا پڑا ھے ، اپنے محبوب کی جیبیں پر کرتی رھتی ھے ۔

" اب اس مکان کی طرف دیکھو جس کے ارد گرد باغیچہ ھے ۔ اس میں ایک ایسا شخص رھتا ھے جس کا خاندان زمانۂ قدیم میں حکومت کرتا رھا ھے لیکن آج کل مال و دولت کی قلت اور ابنائے خاندان کی کاھلی کے باعث یہ خاندان اپنے رتبہ سے گر گیا ھے ۔ چند سال ھوئے کہ اس شخص نے ایک بدصورت لیکن دولت‌مند عورت سے شادی کی اور اس کی دولت کھینچ لینے کے بعد اسے فراموش کر دیا ۔ اس نے ایک حسینہ و جمیلہ سے تعلقات پیدا کر کے اپنی بیوی کو ندامت سے اپنی انگلیاں کاٹنے کے لیے چھوڑ دیا ۔ اب وہ اپنے بالوں کو سنوارنے ، آنکھوں میں سرمہ لگانے ، لب و رخسار پر غازہ اور سرخی ملنے اور اپنے جسم کو اطلس و حریر کے لباسوں سے آراستہ کرنے پر کئی کئی گھنٹے صرف کر دیتی ھے تاکہ کوئی شخص اس پر فریفتہ ھو جائے لیکن بے چاری کامیاب اب تک نہیں ھوئی ۔

اب اس بڑے مکان کی طرف دیکھو جو نقش و نگار اور تصاویر سے آراستہ ھے ۔ یہ ایک خوبصورت مگر بدکار عورت کا مکان ھے ۔ اس کا پہلا خاوند مر گیا تھا جو بے شمار مال و

دولت اور جائداد چھوڑ گیا ۔ اس نے لوگوں کی چہ میگوئیوں سے بچنے کے لیے ایک نحیف و کمزور اور ضعیف الارادہ شخص سے شادی کر لی ۔ اور اب وہ شہد کی مکھی کی طرح ہے جو پھولوں کی شیرینی اور لطافت چوستی پھرتی ہے ۔

"اور اس مکان کی طرف دیکھو جس کے کمرے وسیع اور محرابیں خوبصورت ھیں ۔ یہ ایسے شخص کا گھر ہے ، جو مادی خواھشات کا دلدادہ ، بڑا مصروف اور لالچی آدمی ہے ۔ اس کی بیوی کے جسم میں حسن و جمال کے تمام لوازم اور اس کی روح میں شیرینی و لطافت کا ھر پہلو موجود ہے ۔ اس کی شخصیت میں جسمانی اور روحانی عناصر کا امتزاج اس طرح ہے جیسے شعر میں وزن کا نغمہ اور معانی کے اوصاف گھلے ملے ھوتے ھیں ۔ وہ ایسی عورت تھی کہ محبت میں زندگی بسر کرتی اور محبت ھی میں مرتی لیکن اکثر ھم جنسوں کی طرح اس کے والد نے اس کے بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ھی اس کی گردن میں ناموزوں اور فاسد شادی کا پھندا ڈال دیا ۔ اب وہ کمزور جسم ہے اور اسیری کی حرارت سے شمع کی طرح پگھل رھی ہے اور آھستہ آھستہ اس طرح مضمحل ھو رھی ہے ، جس طرح طوفان کے سامنے لطیف خوشبو ۔ وہ کسی ایسی چیز سے محبت کرنے کی آرزو مند ہے جسے وہ اچھی طرح جانتی ھو لیکن اسے کوئی نظر نہیں آتا ۔ وہ اپنی اس بے کیف زندگی سے نجات حاصل کرنے اور ایسے آدمی کی غلامی سے آزاد ھونے کے لیے جس کے روز و شب روپیہ جمع کرنے میں صرف ھوتے ھیں ، موت سے ھمکنار ھونے کی آرزو مند ہے ۔ اور اس کا خاوند اس گھڑی پر دانت پیستا ہے جب کہ اس نے ایک ایسی عورت

سے شادی کی جس کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوتا جو اس کے مال اور اس کی جائداد کا وارث بنے ۔

" اب اس اکیلے مکان کی طرف دیکھو جو باغات کے اندر واقع ہے ۔ یہ مکان ایک شاعر نغز گو کا ہے جس کا مذہب روحانیت ہے ۔ اس کی بیوی کم عقل اور درشت طبع ہے ۔ وہ اس کے اشعار پر ہنستی ہے ، کیونکہ انہیں سمجھ نہیں سکتی ۔ وہ اس کے کاموں کا مضحکہ اڑاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ عجیب و غریب ہیں ۔ شاعر ایک شادی شدہ عورت کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے ۔ اس کے دل میں اپنی توجہ کا نور جلوہ ریز ہے اور وہ اپنی تبسم ریزیوں اور نظر بازیوں سے اپنے خیالات اس کے دل تک پہنچاتی ہے ۔"

گلبدن کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی اور کھڑکی کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی گویا وہ ان پر اسرار مکانوں کے مکر و فریب کو دیکھ دیکھ کر تھک گئی ہے ۔ اس کے بعد وہ پھر گویا ہوئی :—

" یہی وہ محلات ہیں جن میں رہنے پر میں کبھی رضامند نہیں ہو سکتی ۔ یہی وہ قبریں ہیں جن میں میں اپنی زندگی کو دفن کرنا نہیں چاہتی ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے پنجے سے میں نے رہائی حاصل کر لی ہے اور ان کی سماج سے نجات پا لی ہے ۔ ہاں! یہی وہ لوگ ہیں جو عورتوں کے جسم سے شادی کر لیتے ہیں لیکن ان کی روح سے متنفر رہتے ہیں ۔ میں ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگاتی بلکہ ان سے ہمدردی کا اظہار کرتی ہوں ۔ میں ان سے نفرت نہیں کرتی بلکہ معذرت چاہتے ہوئے

ان کی اس بات سے نفرت کرتی ہوں کہ وہ ریاکاری ، دروغ بافی اور خباثت کے غلام ہو جاتے ہیں ۔ میں آپ کے سامنے ان کے دلوں کے اسرار اور ان کے معاشرت کے راز اس لیے بیان نہیں کر رہی ہوں کہ میں غیبت اور پردہ دری کی آرزومند ہوں بلکہ میں نے یہ اس لیے کہا ہے کہ آپ کو اس قوم کی حقیقت بتاؤں جس کی طرح کل تک میں آپ تھی ۔ اور آپ پر ان انسانوں کی معاشرت ظاہر کروں جو میرے متعلق ہر قسم کے خراب کامے استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ۔ اپنے نفس کے لیے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ۔ میں ان کے دام فریب سے نکل گئی اور میری آنکھیں عدل ، حق اور اخلاص کا نور دیکھنے لگیں ۔ انھوں نے اب مجھے اپنی برادری سے خارج کر دیا ہے اور میں خوش ہوں ، کیونکہ نفرت اسی سے کی جاتی ہے جس کی روح ظلم و جور کے خلاف سرکشی کرے ۔ میں کل تک ایک پر تکلف دسترخوان کی حیثیت رکھتی تھی اور رشید بک اسی وقت میرے قریب آتا تھا جب اس کو بھوک لگتی تھی لیکن ہم دونوں کی روحیں ذلیل خادموں کی طرح ایک دوسری سے دور تھیں ۔ جب حقیقت حال مجھ پر واضح ہوئی تو میں نے غلامی سے انکار کر دیا ۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ساری عمر ایک خوفناک بت کے سامنے جھک کر نہیں گزار سکتی ۔ اس لیے میں نے رواجی قانون کو چھوڑ دیا اور اپنی قیود توڑ ڈالیں لیکن میں نے یہ اس وقت تک نہ کیا جب تک محبت کی صدا میرے کانوں میں نہ پہنچی ۔ میں رشید نعمان کے مکان سے اس طرح نکلی جس طرح ایک قیدی قید خانے سے نکلتا ہے ۔ میں ۔ جاہ و حشمت ، خدم و حشم ،

شان و شوکت کو ترک کر دیا اور اپنے حبیب کے مکان
میں آ گئی جو تکلفات سے خالی ہے۔ میں جانتی تھی کہ
میں جو کچھ کر رہی ہوں وہ حق اور واجب ہے۔ کیونکہ
قدرت کی مرضی یہ نہیں ہو سکتی کہ میں اپنے ہاتھوں سے
اپنے پر کاٹ دوں اور گھٹنوں میں سر دے کے خاک پر تڑپتی
رہوں اور یہ کہتی رہوں کہ زندگی میں میری قسمت اسی
طرح تھی۔ قدرت کی خواہش یہ نہیں ہو سکتی کہ میں نالہ و
بکا میں عمر گزار دوں اور رات بھر درد میں مبتلا رہ کر یہ
کہتی رہوں کہ صبح کب ہو گی۔ اور جب صبح ہو جائے
تو یہ کہوں دن کب گزرے گا۔ قدرت کا یہ منشا ہرگز
نہیں ہو سکتا کہ انسان تباہ ہو جائے۔ کیونکہ قدرت نے انسان
کے دل کی گہرائیوں میں سعادت کی خواہش پنہاں رکھی ہے۔
اور انسان کی سعادت میں اللہ کا نور پوشیدہ ہے۔

”یہ ہے میری داستان جناب! اور آسمان و زمین کے سامنے
میرا یہی احتجاج ہے۔ میں پکار پکار کر کہتی ہوں لیکن
لوگ اپنے کان بند کر لیتے ہیں اور نہیں سنتے۔ وہ اپنی روحوں
کی پکار کی بھی پرواہ نہیں کرتے، کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتے
ہیں کہ سماج کی بنیادیں نہ ہل جائیں۔ میں انہیں مصیبتوں میں
گرفتار رہی، حتیٰ کہ مجھے سعادت کی جھلک نظر آئی۔ اب
اگر مجھے ابھی موت آ جائے تو میری روح عرش اعظم کے
سامنے کسی خوف و خطر کے بغیر جا کھڑی ہو گی اور وہ
فرحت اور امید سے پر ہو گی۔ میں نے اپنے ضمیر کے پردوں
کو بڑے بڑے اہل دین کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔
اور میں نے سرد مہری سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں کوئی ایسا

کام نہیں کروں گی جو میرا نفس نہ چاہے - اور نفس انسانی خدا کی ذات کا ایک کرشمہ ہے - میں اپنے دل کی آواز اور ملائکہ کی صدا کے سوا کسی آواز کی پیروی نہیں کروں گی -

" یہ ہے میری کہانی جسے اہل بیروت زندگی کے لیے ایک لعنت اور سماج کے جسم کے لیے ایک ناسور خیال کرتے ہیں لیکن وہ اس وقت شرمندہ ہوں گے جب محبت کی حقیقت ان پر آشکارا ہو گی - وہ محبت جو ان کے تاریک دلوں میں موجود ہے - ان کے دلوں میں یہ حقیقت اسی طرح پیدا ہو گی جس طرح مردہ انسانوں سے بھری ہوئی زمین سے آفتاب پھولوں کو پیدا کرتا ہے - اس وقت وہ میری قبر سے گزریں گے تو ٹھہر جائیں گے اور کہیں گے کہ یہی گلبدن کی آرام گاہ ہے جس نے انسانی سماج کے فساد انگیز بندھنوں سے اپنے آپ کو آزاد کیا اور یہ اس لیے کیا کہ حقیقی محبت کی ناموس کو برقرار رکھے - "

گلبدن کا سلسلۂ کلام ابھی ختم نہ ہؤا تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت خوش اندام نوجوان اندر آیا - اس کی آنکھوں سے سحر آفریں شعاعیں نکل رہی تھیں اور اس کے لبوں پر لطیف تبسم رقص کر رہا تھا - گلبدن کھڑی ہو گئی اور پوری توجہ سے اس کا بازو پکڑ کر میرے پاس لے آئی - اس نے نوجوان کو میرا نام بڑے تکلف سے اور مجھے اس کا نام بڑی سادگی سے بتایا - میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی نوجوان ہے جس کی خاطر گلبدن نے دنیا کو جھٹلایا اور اس کے قوانین اور اس کی تقلید کی مخالفت کی -

ہم تینوں بیٹھ گئے اور خاموشی طاری ہو گئی - ایسا معلوم

ھوتا تھا کہ ھماری روحیں ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر رھی ھیں ۔ میں نے ان پر نگاہ ڈالی وہ دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں اس طرح بیٹھے تھے کہ اُن کے درمیان کوئی دوری محسوس نہ ھوتی تھی ۔ میں گلبدن کی داستان کے معنی فوراً سمجھ گیا اور جان گیا کہ سماج کے خلاف ، جو سر کش روحوں سے نفرت کرتی ھے اس احتجاج کے کیا معنی ھیں ۔ میں نے دیکھا کہ میرے سامنے دو جسم ھیں لیکن ان میں صرف ایک آسمانی روح بس رھی ھے ۔ دونوں شباب و اتحاد کا نمونہ ھیں ۔ ان کے دلوں میں محبت حقیقی جاگزیں ھے اور وہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے بے نیاز ھیں ۔ دونوں میں مکمل مفاھمت ھے اور دونوں کے شفاف چہروں میں اخلاص و پاکیزگی کی جھلک نظر آ رھی ھے ۔ میں نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ یہ نظارہ دیکھا کہ ایسے مرد اور عورت کے گرد سعادت طواف کر رھی ھے جنھیں مذھب نے رذیل قرار دیا ھے اور سماج نے اپنے میں سے خارج کر دیا ھے ۔"

تھوڑی دیر تک میں بیٹھا رھا اور اُس کے بعد کسی قسم کی بات چیت کیے بغیر وھاں سے رخصت ھؤا ۔ میں اس چھوٹے سے مکان سے ، جو محبت و اخلاص کا مندر تھا ، باھر نکلا اور اُن گلیوں اور محلات کے درمیان سے گزرا ، جن کے راز مجھ سے گلبدن نے بیان کیے تھے ۔ میں اس کی باتوں اور ان کے اول و آخر پر غور کرتا جا رھا تھا ۔ لیکن ابھی میں اس نواح سے نکلا نہ تھا کہ مجھے رشید بک نعمان یاد آ گیا ۔ میں نے اپنے دل میں کہا : وہ مظلوم برباد ھو گیا ھے ۔ کیا آسمان اُس کی بات کو سنے گا ، جب کہ اُس کے سامنے گلبدن بھی اپنی مظلومیت

کی شکایت پیش کرے گی ؟ کیا وہ عورت قصور وار ہے جس نے اسے چھوڑ دیا اور اپنی آزادیٔ نفس کا حکم مانا ۔ یا یہ شخص خطاکار ہے جس نے اس کے ساتھ اس وقت رشتۂ ازدواج قائم کر لیا جب کہ اس کی روح محبت سے آشنا نہ تھی ؟ دونوں میں ظالم کون ہے اور مظلوم کون ؟ دونوں میں مجروح کون ہے اور بے گناہ کون ؟

اس کے بعد میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ دنیا میں ایسی عورتیں بہت ہیں جو اپنے مفلس خاوندوں کو چھوڑ کر دولت‌مند آدمیوں سے تعلق پیدا کر لیتی ہیں کیونکہ ان کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ بیش قیمت لباس پہنیں اور عیش و عشرت میں زندگی بسر کریں ۔ یہ خواہش انہیں اندھا کر دیتی ہے اور وہ ذلت و عار کی زندگی بسر کرنے کو تیار ہو جاتی ہیں ۔ لیکن کیا گلبدن کو بھی یہی لالچ تھا جو ایک دولت مند آدمی کے پر شکوہ قصر سے نکل کر ایک مفلس کی جھونپڑی میں چلی گئی ، جہاں قدیم کتابوں کے ڈھیر کے سوا اور کوئی چیز نہیں ؟ اکثر عورتیں ایسی ہیں جو نسوانی شرف و ناموس کو مار دیتی ہیں اور شہوانی جذبات کو زندہ رکھتی ہیں ۔ وہ اپنے خاوندوں کو اپنی جسمانی لذتوں کے لیے روتے چلاتے چھوڑ دیتی ہیں اور دوسرے آدمیوں کے پاس چلی جاتی ہیں ۔ کیا گلبدن نے بھی اپنی جسمانی لذتوں کے لیے ایسا کیا ہے اور اپنے آپ کو اپنے دل پسند نوجوان کے حوالے کر دیا ہے ؟ اور کیا وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی کہ اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنے خاوند کے گھر ہی پر رہ کر پورا کر لیتی اور ان اشخاص سے خفیہ تعلق قائم کر لیتی جو اس کے

حسن کے دلدادہ اور اس کی محبت کے شہید تھے ؟ گلبدن ایک تباہ شدہ عورت تھی ، وہ سعادت کی طلب گار تھی اور سعادت آسے مل گئی - یہی حقیقت ہے جس کے باعث سماج اسے حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہے اور شریعت اسے گردن زدنی قرار دیتی ہے -

دل میں یہ کلمات کہنے کے بعد مجھے خیال پیدا ہؤا کہ کیا عورت کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنی سعادت کو خاوند کی تباہی کی قیمت ادا کر کے خریدے ؟ اس کا جواب میرے ضمیر نے یہ دیا کہ کیا مرد کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنی سعادت کے لیے اپنی عورت کی خواہشات کو غلام بنا لے ؟

میں چلا جا رہا تھا اور گلبدن کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی حتیٰ کہ میں شہر کے قریب پہنچ گیا - آفتاب غروب ہو رہا تھا - باغ و بستان سکوت و سکون کی نقاب میں روپوش ہؤا چاہتے تھے اور پرند شام کے نغمے گا رہے تھے - میں ٹھہر گیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ عرش آزادی کے سامنے یہ درخت ہوا کے جھونکوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور اس کی ہیبت کے سامنے شمس و قمر کی شعاعوں سے مسرت حاصل کر رہے ہیں - یہ پرندے آزادی کی فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں - یہ پھول آزادی کے ماحول میں خوشبو پھیلا رہے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے آنے والی صبح کے جلوے ضو افگن ہیں - اس کرۂ ارضی پر جو چیز بھی ہے اپنی فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتی ہے اور اپنی آزادی پر نازاں ہے لیکن انسان اس نعمت سے محروم ہیں

کیونکہ ان کی مقدس روحیں دنیا کے محدود قانون کی پابند ہیں۔ ان کی روحوں اور ان کے جسموں کے لیے ایک یکساں قانون بنایا گیا ہے۔ اور ان کی خواہشات و عواطف کو ایک مخفی اور تنگ قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے۔ ان کے دلوں اور ان کی عقلوں کے لیے ایک گہری اور تاریک قبر کھودی گئی ہے۔ اور اگر کوئی ان میں سے اٹھے اور ان کی سماج اور قانون سے علحدہ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص سرکش اور شریر ہے۔ وہ برادری سے خارج ہے اور گردن زدنی ہے۔ لیکن کیا انسان کو قیامت تک اس فاسد سماج کی غلامی میں زندگی بسر کرتے رہنا چاہیے یا اسے اپنی روح کو ان پابندیوں سے آزاد کرا لینا چاہیے؟ کیا انسان کو خاک پر پڑے رہنا چاہیے یا اپنی آنکھوں کو آفتاب بنا لینا چاہیے تاکہ اس کے جسم کا سایہ خس و خاشاک پر پڑتا ہؤا نظر نہ آئے؟